پاکستان کا سب سے زیادہ پڑھا جانے والا خواتین کا مقبول ترین ہفت روزہ

قیمت: ۴۰ روپے

خواتین کا اسلام

1096 بدھ 6 ذوالقعدۃ 1445ھ مطابق 15 مئی 2024

بیٹیاں! کرچیاں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

القرآن

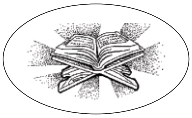

بہترین اُمّت

تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کے فائدہ کے لیے پیدا کیا گیا ہے تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو، اور اگر اہلِ کتاب بھی ایمان لے آئیں تو یہ ان کے لیے بہت اچھا ہوتا، ان میں ایمان والے بھی ہیں لیکن ان میں سے اکثر نافرمان ہیں۔

(سورۂ آل عمران: آیت ۱۱۰)

الحدیث

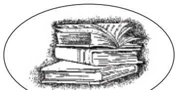

ورنہ دعائیں قبول نہ ہوں گی!

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ''تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے روکتے رہو (اگر تم نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ چھوڑ دیا تو پھر) تم دعائیں کرو گے لیکن وہ قبول نہ ہوں گی۔

(ابن ماجہ)

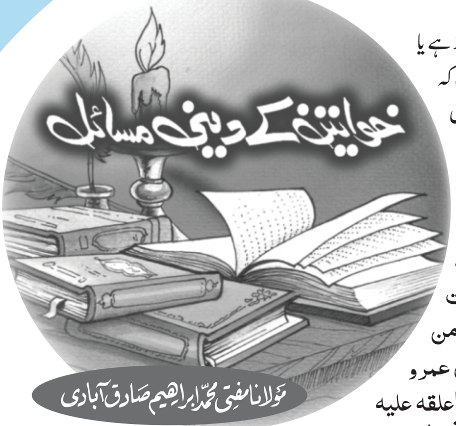

مولانا مفتی محمد ابراھیم صادق آبادی

تعویذ کا حکم:

سوال: تعویذوں کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟ ان کا لکھنا باندھنا جائز ہے یا نہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق تو کہیں منقول نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعویذ دیا ہو، نہ ہی صحابۂ کرام کے متعلق کوئی روایت ملتی ہے۔ [سمیعہ رفیع۔کراچی]

جواب: تعویذ میں درج کلمات اگر معنے کے لحاظ سے صحیح ہیں تو تعویذ باندھنا جائز اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت ہے۔ عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان یعلمهم من الفزع کلمات اعوذ بکلمات الله التامة من غضبه و شر عباده و من همزات الشیاطین و ان یحضرون و کان عبدالله بن عمرو یعلمهن من عقل من بنیه و من لم یعقل کتبه فاعلقه علیه [سنن ابی داؤد]

فاعلقه علیه ای علقه فی عنقه فیه دلیل علی جواز کتابة التعاویذ والرقی و تعلیقها۔[بذل المجھود ۵/۱۰]

تاہم دعا تعویذ سے بھی اہم چیز ہے، اس لیے امراض کے لیے دوا و دعا کا زیادہ اہتمام کرنا چاہیے۔تعویذ صرف جائز ہے جب کہ دوا اور دعا سنت ہے۔حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''امراض و پریشانیاں دور ہونے کی کل تین تدبیریں ہیں۔ دوا، دعا، تعویذ۔ پہلی دو تو ضرور کرو اور تیسری کبھی کبھی۔بعض امراض میں کرلو تو مضائقہ نہیں۔ یہ نہ کرو کہ دوا اور تعویذ پر اکتفا کرلو اور دعا کو بالکل چھوڑ دو۔ [عملیات وتعویذات کے شرعی احکام ۲۱]

ناجائز ذریعہ آمدن والے کا ھدیہ:

سوال: کسی عورت کو ایسا رشتہ دار ہدیہ دے جس کی کمائی حرام کی ہے (مثلاً بینک ملازم ہے)۔ وہ عورت آگے کسی اور رشتے دار کو یہ چیز ہدیہ کردے تو اس رشتے دار کے لیے اُس کا استعمال جائز ہے؟ مزید یہ کہ مذکورہ بالا شخص کو رقم دے کر ہم بازار سے کوئی چیز منگوا سکتے ہیں جب کہ یہ یقین ہو کہ وہ ہماری رقم اپنی رقم کے ساتھ ملا دے گا؟ [م۔س بنت ح]

جواب: اس خاتون کے لیے ہدیہ قبول کرنا جائز نہیں۔ اگر قبول نہ کرنے کی صورت میں ایذا یا فتنے کا اندیشہ ہو تو لے کر بلا نیت ثواب کسی مستحق کو دے دے، خواہ وہ قریبی عزیز ہی ہو۔ اگر اس شخص کے متعلق یقین یا ظن غالب ہو کہ رقم اپنی حرام رقم کے ساتھ ملا دے گا تو اس سے سودا منگوانا جائز نہیں۔

روزوں کی قضا:

سوال: ایّامِ نفاس کے سبب میں گزشتہ رمضان کے روزے نہ رکھ سکی، اس کے بعد بچی کو دودھ پلانے کے سبب قضا روزے بھی نہ رکھ سکی، اب دوسرا رمضان آ گیا ہے، ان فوت شدہ روزوں کا کیا فدیہ ادا کروں؟ [اہلیہ سلمان]

جواب: فوت شدہ روزں کی قضا ہی ضروری ہے، خواہ دوسرا رمضان ہی آ جائے۔ اس صورت میں رمضان کے روزے رکھ لیں، اس کے بعد قضا روزے رکھیں۔ اگر مسلسل روزے رکھنا ممکن نہ ہو تو تھوڑے تھوڑے کر کے رکھ لیجیے۔ فدیہ کا حکم صرف اس شخص کے لیے ہے جو روزہ رکھنے سے مستقل طور پر معذور ہو۔

نمازوں کا فدیہ:

سوال: ایک شخص وفات پا گیا اور اس کے ذمے کچھ نمازیں یا روزے ہیں تو مرحوم کے ولی کے لیے جائز ہے کہ اس کی طرف سے نمازیں ادا کرے، روزے رکھے؟ یا فدیہ ادا کرنا ضروری ہے؟ [ایضاً]

جواب: میت کی طرف سے نماز روزہ کی ادائی درست نہیں، فدیہ ادا کیا جا سکتا ہے جس کی تفصیل یہ ہے اگر مرحوم اداءِ فدیہ کی وصیت کر جائے تو اس کے تہائی ترکہ سے فدیہ ادا کرنا واجب ہے اور اگر وصیت کیے بغیر وفات پا جائے تو ورثاء کے ذمہ کچھ نہیں، تاہم بالغ ورثا اگر اپنے حصۂ میراث یا اپنے ذاتی مال سے خوشی سے ازخود ادا کر دیں تو بھی ان شاء اللہ تعالیٰ مرحوم کا فدیہ ادا ہو جائے گا اور دینے والوں کو ثواب ہوگا۔

اگر تلاوت میں نیند آ جائے:

سوال: والدہ کے ساتھ ایک عجیب مسئلہ یہ ہے کہ جب قرآن مجید کی تلاوت کرنے بیٹھتی ہیں تو نیند آنا شروع ہو جاتی ہے۔ ویسے چاہے ساری رات جاگتی رہیں، نیند کوسوں دور رہتی ہے مگر تلاوت شروع کریں تو نیند آ جاتی ہے، اس کا کوئی علاج؟ (ایضاً)

جواب: یہ غیر اختیاری چیز ہے، اس پر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، ہاں اس کا اہتمام کر لیں کہ جب بھی تلاوت کے لئے بیٹھیں، باضو باادب بیٹھیں، کسی چیز سے ٹیک نہ لگائیں، چار زانو بھی نہ بیٹھیں۔ دو زانو بیٹھ سکیں تو بہتر ہے۔ جب تک طبیعت ساتھ دے تلاوت کریں، جب نیند آنے لگے تلاوت روک دیں۔ بقیہ تلاوت دوسری نشست میں کر لیں۔

☆☆☆

ایامِ قربانی سے پہلے قربان کیجیے!

آئینہ گفتار

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

ایک تمنا سی دل میں اٹھتی ہے کہ کاش اِس بار تو ایامِ قربانی سے پہلے ہی عشاق اپنی قربانی خداوند قدوس کی بارگاہ میں پیش کردیں!

جانوروں کی نہیں بلکہ اپنے شوق وفریفتگی کی!

جی ہاں! نفلی حج کو جانے والے پُرشوق قافلے کم از کم ''اِس'' سال تو اپنے حج کی، اپنے طواف، اپنی سعی، اپنی زیارتوں اور اپنی جبینوں میں مچلتے سجدوں کی قربانی دے ہی دیں۔

وہ جو ہر سال زیارتِ حرمین سے آنکھوں میں نورِ معرفت کا سرمہ لگاتے اپنی 'بینائی' بڑھاتے ہیں، رب تعالیٰ کے وہ نورِ نظر اس سال تو اپنی مشتاق آنکھوں کو مکے مدینے والے کی رضا کی سل پر بچھا، قربان کر ہی دیں۔

بلاشبہ عشق کی مبارک پیاس تو کبھی بجھنے کی نہیں،
تسلیم کہ دل والوں کی بے خودی اور وارفتگی کبھی ختم ہونے کی نہیں،
اور چشمِ تر بھی کبھی اُن مناظر سے تھکتی نہیں،

وہ پُرشوق نگاہیں جو ہر آن اُس سیاہ پُرشکوہ 'حجرے' کی دید کی مشتاق رہتی ہیں جو اگرچہ مکین وساماں سے خالی ہے مگر کشش ایسی بے پناہ رکھتا ہے کہ کائنات کے تمام بلیک ہولز شرما جائیں، کیا فرشی کیا عرشی سب اس کی اَن دیکھی ڈور سے بندھے کھنچے چلے آتے ہیں!

نگاہوں کا یہ شوق مگر کعبے والے ہی کے چند چنیدہ سرفروش بندوں پر قربان ہوجائے تو؟

اور وہ زمانے کی ستائی بنجر آنکھیں جو پُرتمکنت سبز گنبد کو دیکھتے ہی یکدم سرسبز وشاداب ہوجاتی ہیں، اُن نرگسی آنکھوں کی طلب اگر سبز گنبد والے ہی کی امت پر قربان ہوجائے تو؟

تو بس سمجھیے، آپ کا حج یہیں ہوگیا اور مقبول ومبرور حج!

بچوں کا اسلام میں اسی مضمون کو بیان کرتی ایک شاندار کہانی میں امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ کا وہ مشہور قصہ پڑھا کہ جب ایک بار آپ نے اپنے نفل حج کی رقم حرام کھانے پر مجبور ایک ماں اور اس کی یتیم بچیوں کو دے دی تھی اور اپنے اونٹ کی نکیل مکہ شہر سے موڑ واپس اپنے شہر کی طرف کرلی تھی، تو کسی کے واپسی کی وجہ پوچھنے پر فرمایا تھا:

''اس بار تو ہمارا حج یہیں پر پورا ہوگیا۔''

تو جی ہاں! ہمیں معلوم ہے کہ پروازیں بک ہوچکیں، ویزے جاری ہوچکے، اقامت گاہوں کے کھاتوں میں مسافروں کے نام بھی درج ہوگئے!

مگر کچھ اور اقامت گاہوں کے کھاتے بھی تو ہیں جو ابھی کھلے ہوئے ہیں۔

اقامت گاہ فردوس کے، دولت سرا عدن کے، قصر ارم اور مسکن نعیم کے!

جہاں انگلی کٹا کے بھی شہیدوں میں نام ابھی لکھوایا جاسکتا ہے۔ سو اگر ہوسکتی ہیں تو پروازیں کینسل کروادیں اور اپنے شوق کی لگام اہلِ غزہ کی طرف موڑ دیں۔

اور جس طرح ابن مبارک کا اس سال کا حج نہ ہوکر بھی ایسا مقبول ہوا کہ مطاف میں طواف کرنے والوں کو کسی منادی کی ندا سنائی دی:

''اے لوگو! سن لو! اس سال بھی عبداللہ بن مبارک کا نام حج کرنے والوں میں لکھا گیا اور ان کے اس حج کی برکت سے اس سال تمام حج کرنے والوں کے حج قبول کرلیے گئے۔''

تو کچھ بعید نہیں کہ آپ کے لیے بھی فرش اور عرش پر ندا ہوجائے، اور آپ کی برکت سے بھی اس سال حاجیوں کے حج قبول ہوجائیں!

اور چلیں اگر بنا ہوا نظم نہیں ٹوٹ سکتا تو کچھ عیش وآرام کی قربانی تو دی ہی جاسکتی ہے۔ پرتعیش بلند قامت اقامت گاہوں کی بجائے کسی دور دراز کے چھوٹے سی سستی رہائش گاہ میں گزارا کرکے جتنا بچ جائے، وہ ان کے لیے بھجوادیں جو گولی سے زیادہ بھوک سے شہید ہورہے ہیں۔ یقین کیجیے اس طرح آپ کے حج کی ''زکوۃ'' بھی نکل جائے گی۔

اور وہ بھائی بہن جو اِس سال قرعہ میں نام نہ آنے کی بنا پر خود کو بڑا حرماں نصیب سمجھ رہے ہیں اور انھوں نے سارے اسباب اگلے سال کی امید میں تجوری میں مقفل کرلیے ہیں، وہ بھی اگر توکل کریں اور اپنی تجوریوں کے منہ اُن بے کسوں کے لیے کھول دیں تو ان کے لیے بھی دونوں جہاں کی برکتوں اور حرمین ہی کے دروازے نہیں پہلی ملاقات پر ان شاء اللہ تعالیٰ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی مبارک بانہیں بھی کھل جائیں گی!

سچی بات ہے کہ مدد کے جو تین درجے ہیں: جان، وقت اور مال، تو ان میں سب سے چھوٹا درجہ مال سے معاونت کرنے کا ہے کہ خود بس مال دے کر اپنی جان اور وقت لگانے والوں کی مدد کی جائے۔

اس درخواست کے اصل مخاطب تو نفلی حج اور عمرہ کرنے والے ہی ہیں، مگر ترغیب عمومی ہے، سو ہم جیسے وہ لوگ جو کچھ زیادہ وسائل نہیں رکھتے اور جو روز کنواں کھودتے روز اپنی پیاس بجھاتے ہیں، وہ بھی اپنی کم از کم دو ایک دن کی آمدنی تو اپنے بھائیوں بھتیجوں کے نام کر ہی سکتے ہیں۔

الحمدللہ ہمارے کئی مستند ادارے یہ خدمت انجام دے رہے ہیں۔ پاک ایڈ ویلفیئر کا اشتہار تو آپ میگزین میں دیکھ ہی رہے ہوں گے، اس کے علاوہ جامعہ دارالعلوم کراچی کا نظم بھی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ کرے جو بھی یہ سطور پڑھے، وہ کم از کم ایک ہزار تو ضرور اپنی مجبور بہنوں اور بھائیوں کے لیے جمع کروائے۔

اللہ تعالیٰ اہلِ خیر سے اتنا خیر جمع کروادے کہ اہل غزہ کی تمام ضرورتیں پوری ہوجائیں، اور وہ کہہ اٹھیں کہ بس بھئی اب مال نہیں فوج بھیجیں۔

آمین ثم آمین!

والسلام
مدیر مسئول
محمد فیصل شہزاد

انٹرنیٹ: www.dailyislam.pk سالانہ زرتعاون: اندرون ملک 2000 روپے، بیرون ملک ایک میگزین 25000 روپے، دو میگزین 28000 روپے

کرچیاں

عائشہ تنویر

پیارے بھائی قاسم!

پورے گھر میں اندھیرا چھایا ہے۔ احسان اور بچے ایک خوشگوار دن کے اختتام پر تھکے ہارے سو رہے ہیں اور میں تنہائی ملتے ہی ایک لیمپ جلا کر ملگجے اُجالے میں تم سے باتیں کرنے آ گئی ہوں۔

کیا کروں، تم سے باتیں کیے بغیر مجھے سکون بھی تو نہیں آتا اور آج کے خاص دن تو ممکن بھی نہیں تھا کہ میں ایسے ہی سو جاتی۔

آج ہی کے دن تو تم پیدا ہوئے تھے۔ ہر سال کی طرح اِس سال بھی آج میں نے تمھاری پسند کے کھانے بنائے تھے۔ اب تو گھر میں سب کو یہ دن یاد رہتا ہے۔ اپنے ماموں سے بخوبی واقف ہیں بچے،

البتہ سیف کو ہر سال اس مینو پر بہت اعتراض رہتا ہے۔ ہر بار یہی کہتا ہے:

''امی! جب اتنی محنت کر رہی ہیں تو کچھ اچھا بنائیں ناں۔ بریانی، کباب، آلو گوشت اور سویاں کھا کھا کر تو اب سارے کھانے والے تنگ آ گئے ہیں۔''

شاید وہ ٹھیک ہی کہتا ہے، کام والی اماں اور خان بابا کے بچوں سے بھی پوچھو تو وہ کڑاہی، پزا اور برگر ہی کی فرمائش کرتے ہیں، مگر مجھے تو تمھاری پسند کے کھانے بنانے ہوتے ہیں، جو چیز تم نہیں کھاتے اس کے لیے اتنی محنت کیوں کروں؟

ارے پریشان مت ہو۔ مجھے معلوم ہے تمھاری حساسیت کا۔ میں کسی پر ظلم نہیں کرتی۔ آگے پیچھے میں سب ملازمین اور بچوں کو اُن کی پسند کے کھانے کھلا دیتی ہوں۔ یہ پابندی بس چودہ نومبر کے لیے ہے، جب میں خود ایک ایک چیز بناتی ہوں، سب کو بانٹتی ہوں۔ تمھارا انتظار کرتی ہوں کہ شاید تم آ جاؤ۔

مجھے یاد ہے تم نومبر کی پہلی سے دن گننے لگ جاتے تھے۔ گنتی تمھیں ٹھیک سے آتی ہی کہاں تھی۔ اپنی ڈائری پر ایک ایک دن پر نشان لگاتے جاتے۔ ڈائری بھی تو تم میری نقل میں لیتے تھے۔ تمھیں تجسس رہتا تھا کہ آپی نجانے ڈائری میں کیا لکھتی ہے۔

تب میں ڈائری تم سے کتنا چھپا کر رکھتی تھی۔ ہمارے درمیان جھگڑے کی واحد وجہ ڈائری ہوا کرتی تھی لیکن جب سے تم بچھڑے ہو، یہی ڈائری میرے اور تمھارے درمیان پل بن گئی ہے۔ تمھاری ساری باتیں میں اِس سے کر لیتی ہوں۔ یہ میری باتیں سنتی ہے۔ تمھارے نام لکھے سارے خط اس میں تحریر ہیں۔

جب ہم ملیں گے تو میں کچھ کہنے کی بجائے یہ ڈائری تمھیں دے دوں گی۔

پتا نہیں، اب تم دن گنتے ہو یا نہیں؟ اب تمھیں کھانے میں کیا پسند ہے؟ میں تمھیں بہت یاد کرتی ہوں، صرف آج کے دن نہیں بلکہ سال کے ہر دن، ہر لمحے اپنی ہر سانس کے ساتھ۔

نماز کے بعد جب دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتی ہوں تو خود کو ہی نہیں بلکہ بچوں کو، امی ابو اور احسان سب کو بھول جاتی ہوں، بس تم یاد رہ جاتے ہو۔ گھنٹوں اللہ میاں سے تمھاری باتیں کرتی ہوں، پھر بھی اللہ میاں نے مجھے تم سے اب تک نہیں ملایا تو کوئی مصلحت ہوگی اس میں لیکن میرا دل کہتا ہے کہ تم جہاں بھی ہوگے، خیریت سے ہوگے، خوش ہوگے کیونکہ تمھاری بہن ابھی زندہ ہے۔ بس اتنے رشتوں میں بھی دل کا ایک کونہ ویران رہتا ہے۔ آپی کا دل مر گیا ہے قاسم! آ جاؤ ناں، بس ایک بار آ جاؤ۔

☆......☆

پیارے بھائی!

آج کتنے دن بعد تم سے باتیں کرنے کی فرصت ملی۔ ایسا تو ہرگز نہیں ہو سکتا کہ میں تمھیں بھول جاؤں لیکن امی کی طرح ایک اچھی بیوی اور اچھی ماں بھی تو بننا ہے نا۔ بس اسی لیے گھر کے کچھ معاملات میں مصروف رہی۔

یاد ہے، امی بھی ہمارے لیے، گھر کے لیے سب کچھ نظر انداز کر دیتی تھیں۔ ابو کو غم روزگار نے دیس نکالا دیا تو امی نے اپنے دن رات، محنت، محبت اور پیسہ سب ہم پر بلکہ تم پر لگا دیا۔

بھئی ناراض مت ہونا لیکن تمھیں خود بھی یاد ہوگا کہ تمھاری آپی بچپن سے کتنی بے ضرر، ذہین اور اچھی بچی تھی۔ صفائی ستھرائی سے پڑھائی تک کبھی امی کو مجھے ٹوکنا نہیں پڑا جبکہ تمھیں پڑھنے بٹھانا، کھلانا، نہلانا ہر کام ہی کتنا مشکل ہوتا تھا۔

بہت پیار کرنے والی امی جب تمھاری لاپروائیوں پر سختی سے ڈانٹتیں تو تم روتے ہوئے میرے پاس آ جاتے تھے۔ پھر میں لاڈ سے، دلار سے تمھیں مناتی۔ آخر بڑی بہن بھی تو ماں کا ہی روپ ہوتی ہے تو اپنے گڈے کو میں کیوں نہ سنبھالتی۔

بچپن کی عادت تھی۔ اسی لیے تو امی کی اچانک وفات کا دھچکا نہ سہ پا کر جب تم بیمار پڑ گئے تو اپنا صدمہ بھلا کر میں نے تمھیں سنبھال لیا۔

تم مجھ پر پہلے سے زیادہ انحصار کرنے لگے تھے۔ میں بھی تو دِنوں میں اتنی بڑی ہو گئی تھی کہ وہ سب کام بھی کرنے شروع کر دیے جو کبھی امی نے نہیں کروائے تھے۔ کھانا پکانے سے لے کر اپنے گڈے بھیا کے کپڑے دھونا تک سب سیکھ لیا تھا میں نے، پھر بھی سب رشتے داروں نے گھر سنبھالنے کا کہہ کر ابو کو دوسری شادی کے لیے راضی کر لیا۔

آنے والی نے مگر صرف گھر ہی کو سنبھالا اور اس کے اسی گھر کے لالچ نے تمھیں مجھ سے جدا کر دیا۔

وہ اتنی زہریلی عورت تھی کہ اس کے بارے میں سوچنا بھی میرے احساس کے پر نیلے کر دیتا ہے۔ ایسی تلخی رگ وپے میں اترتی ہے کہ میں واپس وہیں درد کے صحرا میں چلی جاتی ہوں۔ میں اسے بددعا دینا نہیں چاہتی لیکن میرا وجود اس کے لیے مجسم بددعا ہے قاسم! تمھاری حساس، محبت کرنے والی آپی اسی دن مر گئی تھی، جب ہم بچھڑے تھے۔ اب بس ایک کمزور دل مکافات کے انتظار میں دھڑکتا ہے۔ میں اسے معاف نہیں کروں گی، کبھی نہیں۔

☆......☆

پیارے بھائی!

اس دن باتیں کرتے کرتے کس کا ذکر شروع ہو گیا کہ اصل بات درمیان ہی میں رہ گئی، پھر وہ پوری رات اور دن ہی نہیں بلکہ اگلے کئی دن شدید مائیگرین کا شکار رہی میں۔

سیف گھر میں تھا، اس نے مجھے ڈائری کو ہاتھ بھی نہیں لگانے دیا۔ جیسے تم مجھ سے ضد کرتے تھے۔ سیف تمھارا ہی پرتو ہے، اس لیے مجھ سے بات منوانا اُس کے لیے بہت آسان ہے مگر اب جیسے ہی سب سوئے، میں تم سے باتیں کرنے آ گئی۔ تم سے دل کی بات نہیں کہوں گی تو بھلا کس سے کہوں گی؟

ہم دونوں عمر کے فرق کے باوجود کتنی باتیں کرتے تھے۔ اب بھی تمھارے علاوہ میں کسی سے بات کم ہی کرتی ہوں۔ سب کہتے ہیں، میں بہت خاموش رہتی ہوں، جبکہ تمھارے ساتھ میرا یہ حال ہے کہ کام کی بات رہ جاتی ہے اور نجانے کہاں کہاں کے قصے شروع ہو جاتے ہیں۔ اچھا بتانا یہ تھا کہ کل میں نے بہت عرصے بعد خواب میں امی کو دیکھا۔

ویسی ہی خوبصورت، تروتازہ مسکراتی ہوئیں جیسے وہ اپنی زندگی میں ہوا کرتی تھیں۔ امی کے گزر جانے کے بعد جب ابو نے اس دوسری عورت کے ساتھ اپنا گھر بسا لیا تھا، تب امی روزانہ میرے خواب میں آتی تھیں۔

میں نے تمھیں چڑیا کے بچے کی طرح سمیٹ لیا تھا۔ میں اور تم اس گھر میں نہ ہونے کے برابر تھے۔ میں ہر ممکن تمھارا خیال رکھا کرتی اور جو بات مجھے سمجھ میں نہیں آتی تھی، امی خواب میں بتا دیا کرتیں۔

تم بھی تو روز خواب دیکھتے تھے امی کے واپس آ جانے کے، مجھے تو پتا تھا کہ یہ ممکن نہیں لیکن تمھاری خوشی کے لیے ہم امی کے واپس آنے کے بعد کرنے والے کاموں کی منصوبہ بندی کرتے۔

اچھا کھانا، اسکول میں ٹیچرز سے ملنے جانا، گھومنا، سردیوں کے کپڑے سب کچھ ہی تو امی کے ساتھ ختم ہو گیا تھا۔

پھر بھی ہم دونوں ٹھیک تھے۔ ابو اور خالہ کی کبھی کبھار آنے والی کال بھی ہمارے لیے انعام تھی۔ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر کبھی خالہ آتیں تو ہمارے لیے تحفے لے آتیں مگر ہماری کوئی خوشی اس عورت کو گوارا نہ تھی۔ اسی لیے خالہ سے سے ایسا سلوک کرتی کہ وہ دوبارہ اِس گھر کا رخ نہ کریں۔

پھپھو یا چچا وغیرہ اکثر چکر لگا لیتے، سر پر ہاتھ پھیر دیتے۔ ان کے سامنے سب اچھا رپورٹ ہوتا اور یہی وہ ابو کو جا کر بتا دیتے۔

سب ٹھیک چل رہا تھا، پھر ابو مستقل پاکستان واپس آ گئے۔ ہم دونوں بہت خوش تھے۔ یہ خوشی اور بڑھی تھی جب ایک ننھی سی گڑیا بہنا بھی ہمارے گھر میں آ گئی تھی۔ ابو نے ہمیں گڑیا دکھائی تھی اور میں کتنی دیر اسے گود میں لیے بیٹھی رہی تھی۔ تم نے کتنے پیار سے، جھجک کر اس کے نرم رخسار پر انگلی پھیری تھی۔ ابو ہنس دیے تھے۔

اس عورت نے کبھی ہم سے کوئی تعلق نہیں رکھا تھا۔ وہ گڑیا کو بھی ہم سے دور ہی رکھنا چاہتی تھی۔ تمھارا کتنا دل مچلتا تھا گڑیا کے لیے، مگر ابو کی غیر موجودگی میں ہم اسے آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتے تھے۔ ہم دونوں پھر بھی مطمئن تھے۔ گڑیا ہے تو ہماری ہی بہن اور ہمارے ہی ساتھ رہے گی۔

لیکن اب وہ عورت خوش نہیں تھی۔ ابو کو نجانے کیا ہو گیا تھا، انھیں ننھی گڑیا کی مسکان سے زیادہ اپنے پیارے بیٹے کی شرارتی آنکھیں اور باتیں بھاتی تھیں۔ وہ اب تمھیں ساتھ ساتھ رکھتے تھے۔ ضرورت کی چیزیں دلواتے، اسکول پکنک کے پیسے ہوں یا میٹنگ، وہ تمھاری ہر چیز کا خیال رکھتے۔ میں بھی اپنے سارے کام تمھیں بتا دیتی اور تم ابو سے کہہ دیتے تھے۔

پھپھو کو کسی سے کہتے سنا تھا کہ گڑیا کی پیدائش کے وقت کچھ مسائل ہو گئے تھے اور اب ہمارا کوئی بہن بھائی نہیں آئے گا۔ شاید اسی لیے ابو تمھارا اتنا خیال رکھتے تھے۔

اب تمھیں کھانا نہیں ملتا تو تم خاموش نہیں رہتے تھے بلکہ ابو کو بتاتے تھے۔ تم دوبارہ سے وہی باتونی، ذہین، شرارتی قاسم بن گئے تھے، جس کی باتیں امی ابو کو فون پر بتاتی تھیں اور ایک ایک جملے کے بعد ماشاءاللہ کہتی تھیں اور کسی کو بھی یہ باتیں نہیں بتاتی تھیں کہ تمھیں نظر لگ جائے گی۔

اور امی کا خوف سچا ہی تھا۔ تمھیں نظر جلدی لگ جاتی تھی۔ ردآفات کے صدقے اتارنے والی ماں نہ رہی تو بلا نے تمھیں گھیر لیا۔

مجھے معاف کر دینا میرے گڈے بھائی، میں تمھاری ماں نہیں بن سکی۔ میں تمھیں حاسدوں کے حسد سے نہیں بچا سکی۔

(جاری ہے)

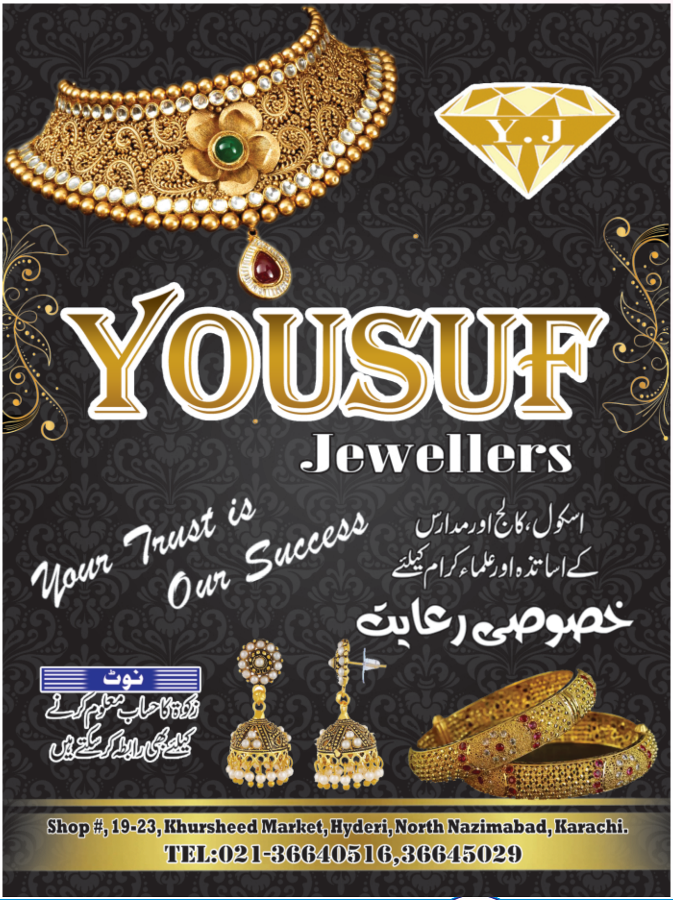

یادیں ہم سفر میری

ابوجی کی یاد میں!

مفتی آصف محمود قاسمی

ہر کسی کو یہ دعویٰ ہے کہ میرے باپ جیسا دنیا بھر میں ڈھونڈے سے بھی نہ ملے گا۔ میرا باپ بے مثال ہے۔ دنیا جہاں کی خوبیاں میرے باپ میں پائی جاتی ہیں۔

شاید کسی حد یہ دعویٰ درست بھی ہے۔ کیونکہ لائق اور فرماں بردار اولاد کی نگاہ 'نگاہِ کمال بین' ہوتی ہے۔

مگر میں یہ دعویٰ ہرگز نہیں کروں گا بلکہ میں اپنے والد گرامی کے کچھ خصائل اور اوصاف مبالغہ آرائی کیے بغیر قارئین کی عدالت میں بیان کرتا ہوں، اور فیصلہ انہی کی دیانت داری پر چھوڑتا ہوں۔

میرے والد چار بہن بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔ مزاج میں بلا کی سنجیدگی تو تھی مگر خشکی نہ تھی۔ گو کہ صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے مگر وضع قطع شرعی نہ تھی۔ انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور میں جب آخری سال تھا تو ایک انجانے تبلیغی کی صرف اس بات نے زندگی کی کایا ہی پلٹ دی کہ: ''آپ نے دنیا سنوارنے کے لیے چار سال صرف کیے ہیں، میرے کہنے پر آخرت سنوارنے کے لیے چار ماہ لگالو۔''

اس دن کے بعد دعوت وتبلیغ کے کام کے ساتھ ایسے وابستہ ہوئے کہ یہ دعوتی کام ہی آپ کا اوڑھنا بچھونا بن گیا۔ چہرے پر سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سج گئی۔ سر پر ٹوپی آگئی۔ پینٹ کوٹ کی جگہ شلوار قمیص نے لے لی اور بچوں کو دین کے لیے وقف کردیا۔

چونکہ آپ ایک پرائیویٹ ادارے میں ملازم تھے، اس لیے تبلیغی اسفار کی رخصت بلا اجرت ملتی تھی، مگر آپ نے اس کو اپنی راہ کا سنگ گراں نہ بننے دیا، اور بلا اجرت ایک سال افریقہ، سات ماہ ملائیشیا، چار ماہ چائنا، ایک ماہ افغانستان اور کم وبیش چالیس چلے اندرون ملک لگائے۔

ماہوار سہ روزہ، شب جمعہ، منگل مشورہ، ہفتے کے دوگشت اور روزانہ کے مسجد کو اڑھائی گھنٹے دینے کی ترتیب سالہا سال بڑی پابندی سے جاری رہی۔

سالانہ ملکی وضلعی اجتماعات اور جوڑ میں شرکت اس کے علاوہ ہے۔ آپ روایتی تبلیغی نہ تھے بلکہ حقیقی اور مخلص تبلیغی تھے۔ آپ کی چھپن سالہ تبلیغی جدوجہد سے بہت سارے بے دین دیندار ہوئے، بے نمازی نمازی بنے۔ آپ کی ترغیب وتلقین سے بہت سارے لوگوں نے اپنے بچوں کو حافظ قاری اور عالم بنایا۔

متمول ہونے کے باوجود سادگی کا یہ عالم تھا کہ اپنی پوری سروس کے دوران ۸۰ ماڈل کی پرانی سی سوزوکی موٹر سائیکل استعمال کی۔

گھر میں اے سی، ٹیلی وژن اور ٹیلی فون کو داخل نہیں ہونے دیا۔ سادہ لباس اور سادہ خوراک عمر بھر وتیرہ رہا۔

فضول خرچی کو بدترین اور ناقابل برداشت جرم تصور کرتے۔

خوب یاد ہے ایک عرصے تک ہمیں ساٹھ روپے ماہوار جیب خرچی ملتی رہی۔ پھر ہمارے پرزور مطالبے پر نوے روپے ہوئی اور پھر سو روپے ملنے لگا۔ میری شادی کے بعد میرا خرچہ ۵۰۰ روپے طے ہوا۔

آپ کفایت شعاری کا اندازہ لگائیں کہ شادی بیاہ کے موقع پر بھی بے اعتدالی نہ ہونے دیتے۔ یہی وجہ تھی کہ ہم بہن بھائیوں کی شادی کے موقع پر ان کو فکرمند نہیں دیکھا۔ ہم بچپن میں سوچا کرتے تھے کہ ہم ایک انجینئر کی اولاد ہیں، لیکن ہمارے پاس معاشرے کی آسائشی سہولیات کیوں نہیں ہیں؟

پھر جب ہماری شادیاں ہوئیں اور ہمیں والد کی طرف سے تعمیر شدہ گھر ہدیہ ملے تو سمجھ میں آگیا کہ والد گرامی نے اپنے آج کو ہمارے کل کے لیے قربان کردیا تھا۔ ہم بغیر کسی محنت ومشقت کے گھروں کے مالک بن گئے، ورنہ جس دور میں ہم پر ذمے داریوں کا بوجھ پڑا، اپنی محنت سے ہم ایک مرلہ جگہ بھی خریدنے کی سکت نہیں رکھتے۔

ایک اور وصف جو میرے والد میں نمایاں تھا، وہ وقت کی قدردانی تھا۔ نہ خود وقت کو ضائع کرتے نہ ہمیں ضائع کرنے دیتے بلکہ گھر آیا مہمان بھی انہی کے مرتب کردہ نظام الاوقات کا پابند ہوتا۔

آپ کے نظام الاوقات میں معمولی تغیر نہ ہوتا۔ صبح سات بجے سے سہ پہر چار بجے تک دفتر ہوتے۔ گرمیوں میں چار بجے تا نماز عصر آرام کرتے۔ عصر تا عشا مسجد میں رہتے، اور عشا کے فوری بعد سوجاتے۔

رات جلد سونے کی ہم سے بھی پابندی کرواتے تاکہ نمازِ فجر کسی کی قضا نہ ہوجائے۔ آنے والے مہمان سے بلاتکلف پوچھ لیتے کہ آپ کا کیا پروگرام ہے؟ رکیں گے یا جائیں گے؟ اگر وہ کہتا جانا ہے تو کہتے میاں بروقت جاؤ تاکہ تمھیں کوئی پریشانی نہ ہو۔

اور اگر اس کو رکنا ہوتا تو اس کو بھی جلد سونے کا کہتے۔

ابوجان جی!

''ابوجی......ابوجان......ابوجی......ابوجان جی!''

(یہ کوئی چیز مانگنے کا ہاجرہ کا مخصوص انداز ہے)

''جی، ابو کی جان جی؟'' ابو کی طرف سے پوچھا گیا۔

''وہ نا، میں نا، کتنی چھوٹی سی بچی ہوں ناں، اس گھر میں سب سے چھوٹی، آپ کے ہاتھ جتنی، اس دستانے جتنی، دیکھیں ذرا، ہے نا؟ اور اوپر سے اس چھوٹی سی، اچھی سی بچی کا روزہ بھی ہے۔

''کیا کام ہے آپ کو مجھ سے؟'' ابو نے سمجھ لیا کہ کوئی چیز چاہیے۔

وہ ناں پیارے ابوجان جی! آپ مجھے ڈیوائس دے سکتے ہیں؟ بس تھوڑی سی دیر کے لیے، پلیز پلیز پلیز۔''

سونیا بلال

مدعا سامنے آگیا تھا۔

ہمیں بھی تو دعاؤں کی قبولیت کے ایسے ہی مانگنا چاہیے۔

اللہ کی کبریائی کے اقرار، اور خوبصورت ناموں، صفات کے ساتھ

اپنی کمزوری، چھوٹے ہونے اور بے بس ہونے کے اقرار کے ساتھ

بار بار، اٹھتے بیٹھتے جیسے یہی سب سے اہم اور ضروری کام ہو۔

اور پورے یقین کے ساتھ۔

☆☆☆

اگرچہ ہمیں یہ بات مروت کے خلاف لگتی لیکن مآل کار ہم بھی اسی نتیجے پر پہنچتے کہ اسی میں جانبین کی سہولت ہے۔

دو بہوؤں کو اکٹھا اپنے پاس نہ رکھتے۔ پہلے گھر میں موجود شادی شدہ بیٹے کو الگ کرتے پھر دوسرے کی شادی کرتے۔

اس کی وجہ یہ بتلاتے کہ جب دو بہوئیں اکٹھی ہوں گی تو وہ کام کاج کے سلسلے میں باہم الجھیں گی اور خواہ مخواہ سب پریشان ہوں گے۔

شاید آپ یہ جان کر حیران ہوں گے کہ میرے والد نے ہم سب بھائیوں سے ہماری کمائی کا کبھی ایک روپیہ بھی نہیں لیا۔

بس یہی تلقین کرتے کہ محنت سے کماؤ، حلال کماؤ اور مزے سے کھاؤ۔ مجھے تمھاری کمائی کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔ نہ مجھے دو اور نہ مجھ سے لو۔

ورنہ عام طور پر تو یہی ہوتا ہے کہ سب بچے کما کر والدین کے حوالے کر دیتے ہیں اور پھر وہی مشترکہ خرچ کرتے ہیں۔

لیکن ہمارے گھر کبھی ایسا نہیں ہوا۔ جو والدین کے ساتھ رہ رہا ہوتا، اگرچہ وہ کتنا ہی کما رہا ہوتا، اس پر گھر کے اجتماعی خرچ کا کوئی بوجھ نہ ہوتا۔

اپنی بات کرتا ہوں۔ میں شادی کے بعد چھ سال تک والدین کے ساتھ رہا۔ ابا جی کے اس وصف کی طرف میری توجہ ہی نہ تھی۔ وہ تو ایک روز میں اپنے دوست کے گھر گیا۔ گرمیوں کے دن تھے۔ یو پی ایس کی سہولت ہونے کے باوجود پنکھا بند دیکھ کر میں نے اس سے پوچھا کہ یو پی ایس استعمال کیوں نہیں کر رہے؟

کہنے لگا: بیٹری خراب ہے، چونکہ میں شادی شدہ بھی ہوں اور برسرِ روزگار بھی اس لیے والد صاحب کا کہنا ہے کہ جب استعمال برابر کا ہے تو بیٹری کی خریداری میں حصہ بھی برابر کا ہوگا اور فی الحال میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔

مجھے دوست کی بات سن کر حیرت کا شدید جھٹکا لگا کیوں کہ مجھے تو والد صاحب نے کبھی ماچس لانے کو بھی نہیں کہا تھا۔

ابو جی ہمارے دوست بھی تھے مگر ساتھ سخت گیر بھی۔ دینی و دنیوی معاملات کی گاہے بگاہے باز پرس کرتے رہتے۔ جہاں کوتاہی دیکھتے تو مناسب سرزنش بروقت کر دیتے۔

تلاوت قرآن کے بہت شائق تھے۔ کثرتِ تلاوت کے باعث آپ کا لہجہ اور روانی حفاظ جیسی تھی۔

جب میں اپنے والد کی زندگی کا عمومی جائزہ لیتا ہوں تو وہ مجھے جہد مسلسل اور عملِ پیہم سے مرصع نظر آتی ہے۔

اپنی حیاتِ مستعار کا آخری دن بھی معمول کے مطابق گزارا۔ ۱۵ جنوری ۲۰۲۱ء جمعہ کا مبارک دن تھا۔ بھائی نماز جمعہ کی ادائیگی کے لیے مسجد لے جانے کے لیے آیا تو سردی کی زیادتی اور جسم میں قدرے حرارت کے باعث کہنے لگے:

’’مسجد جانے کی ہمت نہیں ہے، اس لیے آج گھر ہی پر ظہر پڑھوں گا۔‘‘

باقی نمازیں بھی معمول کے مطابق پڑھیں۔ معمول کی تلاوت بھی کی۔ عشا کے بعد عامر بھائی کے بیٹے محمد خضر کو سیپارہ پڑھایا، اور معمول کے مطابق سو گئے۔

رات معمولی وقفے سے دو بار قضائے حاجت کے لیے اٹھے تو والدہ نے پوچھا:

’’خیریت تو ہے......؟‘‘

کہنے لگے: ’’نہیں، عبیداللہ کو اٹھاؤ وہ دوا لے آئے۔‘‘

والدہ نے کہا: ’’میں بھی اس کے ساتھ جاؤں؟‘‘

’’کہنے لگے: ’’نہیں، تم میرے پاس رہو۔‘‘

بھائی دوا لے آیا اور کندھوں کو دبانے لگا۔

اسی دوران کہنے لگا: ’’ابو جی! درود شریف پڑھیں۔‘‘

کہنے لگے: ’’ہاں پڑھ رہا ہوں۔‘‘

والدہ بولیں: ’’یہ تو کلمہ پڑھنے کا وقت ہے۔‘‘

تو ان کی طرف رخ کر کے زور سے وقفے وقفے سے پورا کلمہ پڑھا۔

اس کے بعد کوئی بات نہیں کی۔ کچھ ہی لمحات میں سر ڈھلک گیا۔ یوں آپ بوقت سحر کلمہ پڑھ کر دارِ فانی سے دارِ بقا کوچ کر گئے۔

اللہ تعالیٰ اپنی جوارِ رحمت میں جگہ نصیب فرمائے۔ آمین! ☆☆☆

1987ء سے خدمت میں مصروف

پُھلبہری، برص

LEUCODERMA-VITILIGO

تمام جِلدی بیماریوں کا مؤثر اور بے ضرر علاج

STEROIDS FREE
MOST PROGRESSIVE
TREATMENT

سفید داغ قابلِ علاج مرض ہے

ایوارڈ زیافتہ ممتاز معالج
اجمل زیدی کے صاحبزادے
اقدس زیدی
(ماہرِ برص)

کے دورۂ پاکستان کا مستقل پروگرام

کراچی قیام: 1 مارچ تا 10 مارچ، 1 جولائی تا 10 جولائی، 1 نومبر تا 10 نومبر
فارچون سنٹر آفس نمبر 706 ساتویں منزل شارع فیصل نرسری بالمقابل K.F.C کراچی
موبائل: (0300)8566188

ملتان قیام: 12 مارچ تا 17 مارچ، 12 جولائی تا 17 جولائی، 12 نومبر تا 17 نومبر
ہوٹل سلور سینڈ، ریلوے روڈ نزد چوک عزیز ہوٹل، ملتان
موبائل (0300)8566188

لاہور قیام: 11 فروری تا 20 فروری، 11 جون تا 20 جون، 11 اکتوبر تا 20 اکتوبر
مدینہ ٹاور، آفس نمبر 512 پانچویں منزل، مسلم ٹاؤن موڑ، فیروزپور روڈ، بالمقابل جامعہ اشرفیہ لاہور
0300-8566188

اسلام آباد مستقل پتہ: 25 مارچ تا 25 مئی، 25 جولائی تا 25 ستمبر، 25 نومبر تا 25 جنوری
مکان نمبر 62 سٹریٹ نمبر 20 سیکٹر G-8-1 تعلیمی چوک (سریا چوک) اسلام آباد
موبائل: (0300)8566188

leucodermatreatment@outlook.com

بیٹیاں!

قرۃ گلستان

امی جی کے انتقال کے چوتھے دن ثوبیہ نے بھی اپنا بوریا بستر باندھ لیا۔

امی جی کو ہلکا سا بخار ہی تو تھا۔ ثوبیہ اس بار ملنے آئی تھی تو امی جی گھنٹوں اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بیٹھی رہیں، جب اس نے گھر جانے کا ارادہ کیا تو بے ساختہ کہہ اٹھیں:

’’آج مت جاؤ نا ثوبیہ!‘‘

شادی کے بارہ سالوں میں آج پہلی بات امی نے اسے رکنے کا کہنا تھا۔ وہ حیران رہ گئی۔ اس کی حیرت پر بڑی بھابی کہنے لگیں:

’’دراصل تین دن سے بخار ہے ناں امی کو، شاید گھبرا رہی ہیں۔‘‘

’’نہیں بھابی! امی نے مجھے کبھی نہیں روکا نا آج پہلی بار کہا ہے!‘‘ امی مسکرانے لگیں۔

’’اچھا جاؤ بیٹا، جس میں تمھاری سہولت۔‘‘

امی کی بات پر وہ فوراً ان کے پاس آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی۔

’’اب جب آپ نے روکا ہے تو میں کیوں جاؤں؟‘‘

اس کے انداز پر امی اور بھابی ہنسنے لگیں اور وہ اپنے شوہر کو میسج کرکے لینے آنے سے منع کرنے لگی۔ انھیں بھی حیرت کے شدید جھٹکے لگے کہ امی کی طبیعت کو کیا ہوگیا کہ ثوبیہ کو روک لیا۔ ثوبیہ نے تسلی کروائی اور اطمینان سے بیٹھ گئی۔

لیکن وہ بخار ہی امی جی کی موت کا بہانہ بن گیا اور دوسری رات امی چپ چاپ اس دنیائے فانی سے کوچ کر گئیں۔ ثوبیہ کو لگا کہ بھری دنیا میں اب اس کے لیے نہ کوئی دعا کرنے والا رہا، نہ ہی کوئی رازدار۔

روتے روتے تین دن گزر گئے۔ مرنے والوں کے ساتھ مرا تو نہیں جاتا۔ دنیا کے کام چلتے رہتے ہیں، سو چوتھے دن اس کے شوہر لینے آئے اور وہ ابو جی سے مل کر اپنے گھر چلی آئی۔ ثوبیہ ہر اتوار کی شام کو امی کے گھر دو گھنٹے کے لیے جایا کرتی تھی۔ امی کے انتقال کے بعد جو اتوار آئی تو اس کا جانے کا دل ہی نہ ہوا، پوری شام امی کو یاد کرتے اور روتے روتے گزر گئی۔

مغرب کے بعد دونوں بھابیوں کے فون آگئے کہ آج آئی کیوں نہیں؟ وہ فون پر بھی رونے لگی۔ بھابیوں نے بھی بہت تسلی دی پر اس کے آنسو نہیں تھمے۔

اگلی اتوار آنے کا وعدہ کرکے وہ اپنے روزمرہ کے کاموں کی طرف متوجہ ہوگئی۔

ماں باپ کے گھر میں اس کے بیس سال ماں سے چمٹ کر ہی گزر رہے تھے۔ بھائی دونوں بڑے تھے، جن کی شروع سے اس سے عزت ہی کروائی گئی تھی اور ابو جی دکانداری میں مصروف اور بیٹوں کو کچھ زیادہ چاہنے والے تھے، لہٰذا گھر کے تینوں مردوں سے وہ ہوش سنبھالنے کے بعد ادب آداب اور ذرا فاصلے پر ہی رہی تھی۔ ایک واحد امی کی ذات تھی جن سے وہ لاڈ بھی کرتی تھی، نخرے بھی، فرمائشیں بھی اور پیار بھی۔

البتہ کبھی کسی دوست یا کزن کو دیکھتی یا سنتی کہ اس کے ابو اسے کتنا چاہتے ہیں تو وہ حیران ہی ہوتی کہ ابو بھی کبھی چاہ سکتے ہیں؟

ابو سے ہمیشہ دور اور جھجک کر رہنے والی ثوبیہ بیس سال کی ہو کر اپنے گھر کی ہوگئی۔

میکے آنے کی خوشی اسے فقط امی سے ملنے کی ہوتی تھی۔ اب وہ ہی نہ رہیں تو کیسی خوشی اور کیسا میکے جانے کا انتظار؟

اگلی اتوار مارے باندھے اس نے میکے جانے کی تیاری کی۔ دل صبح ہی سے افسردہ تھا۔ وہاں پہنچی تو فوراً آنکھوں میں آنسو آگئے۔ بھائی بھابیوں اور بچوں سے مل کر وہ ابو کے کمرے میں گئی۔

ابو باتھ روم میں تھے وہ ان کے باہر آنے کا انتظار کرنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد نکلے تو ان کے ہاتھ میں اپنی ٹوپیاں، رومال اور دستانے تھے جو وہ دھو کر نکلے تھے۔

ثوبیہ سلام کرکے فوراً آگے بڑھی۔

’’ابو! یہ کیا؟‘‘ اس نے حیرت سے ان کے ہاتھوں کو دیکھا۔

’’کچھ نہیں بیٹا! بس یہ ٹوپی اور رومال وغیرہ ذرا میلے ہوگئے تھے تو میں نے سوچا دھو لوں۔‘‘

’’آپ نے بھابی سے کہہ دیا ہوتا۔‘‘

’’کہنے کی تو عادت ہی نہیں ہے بیٹا! کہتا تو بلاشبہ وہ کر دیتیں، پر برسوں سے بغیر کہے سب کچھ تیار ملا کرتا تھا، اب کوئی کہنے والا نہیں تو کرنے والوں کو دھیان نہیں آتا، خیر ان کے بھی سو کام ہیں، چھوٹے بچوں کا ساتھ ہے، یہ چھوٹے موٹے کام میں نے خود کر لیے تو کوئی بڑی بات نہیں۔‘‘

ابو نے کہا اور کمرے کی کھڑکیوں پر ہی کپڑے سوکھنے کے لیے ڈال کر بیٹھ گئے۔

’’اور سناؤ تم کیسی ہو؟‘‘ وہی ہمیشہ والا انداز!

’’ٹھیک ہوں ابو!‘‘ وہی ہمیشہ والا جواب!

’’کیا کھاؤ گی؟ میں نماز کے لیے جاؤں گا تو لیتا آؤں گا۔‘‘

ہمیشہ کی طرح فرمائش کرنے کو کہا گیا۔ اس نے ہمیشہ کی طرح انکار ہی کیا، لیکن اب آگے سے اس کی پسندیدہ چیزیں بتانے اور لانے والی امی درمیان میں نہیں تھیں۔

ثوبیہ کو اب ہر اتوار ہی میکے جانے کی جلدی ہوا کرتی تھی۔ وہ

یاں تمام ہمدردی صرف منہ زبانی ہے!

جلیل عالی

اب کے بندگی عالی کیسی امتحانی ہے
غم غزہ کا رونا ہے عید بھی منانی ہے
مرگ منظری ایسی چھا رہی ہے سارے میں
ڈھیر ہیچ بچپن ہے آگ میں جوانی ہے
واں بموں کی یلغاریں چیتھڑے اڑاتی ہیں
یاں تمام ہمدردی صرف منہ زبانی ہے
ہم جو روگ جیتے ہیں ہم جو سوگ پیتے ہیں
اِس تمام کے پیچھے اور ہی کہانی ہے
ناتواں جاں پر کیا ہے یہ لہو اندر
ذرۂ بیاباں ہیں خبط بے کرانی ہے
دعویٔ فقیری کیا کس کو اس کا اندازہ
کون سی طلب کس پل دل میں آسمانی ہے
حلقۂ معانی میں کچھ بھی تو نہیں بدلا
لفظ کچھ نئے نظرے گفتگو پرانی ہے

☆☆☆

بڑے غیر محسوس انداز میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر ابو کے چھوٹے موٹے کام اس طرح منٹوں میں نمٹاتی کہ کسی کو احساس بھی نہ ہوتا۔ تولیے، بیڈ شیٹس دیکھتی، میلی لگتی تو بدل دیتی۔ کئی کئی سوٹ استری کر کے رکھ دیتی، کیونکہ وہ جانتی تھی کہ ابو اپنے کام کسی سے کہہ کر نہیں کروائیں گے۔

لیکن ایک دن دونوں بھابیوں نے شکوہ کر ہی دیا۔

''ہم ہر چیز کا دھیان رکھتے ہیں ثوبیہ! پھر ہفتے میں ایک دن آ کر تم اس طرح کاموں میں لگ کر ہمیں شرمندہ کر دیتی ہو۔''

''نہیں بھابی!'' وہ جلدی سے بولی۔ ''ایسی ہرگز بھی کوئی بات نہیں، آپ جیسی بہوئیں تو قسمت والوں کو ملتی ہیں، میں خود بھی آپ جیسی نہیں، بس یہ ہے کہ اپنی جنت بنانے کا ایک موقع تو گنوا چکی، اب ابو ہیں جن کی خدمت کر کے دعائیں لینا چاہتی ہوں۔ آپ دونوں براہ کرم برا نہ منائیے۔'' ثوبیہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''بے شک تم کرو، لیکن ہم ہر کام ان کا کرتے ہیں پھر بھی کسی کام میں چوک ہو جائے تو وہ خود کر لیتے ہیں تو بڑی شرمندگی ہوتی ہے، کہتے بھی ہیں کہ ابو ہمیں کہہ دیا کریں، مگر وہ کہتے ہی نہیں۔'' چھوٹی بھابی نے وضاحت دی۔

''ان کی شروع سے یہی عادت ہے بھابھی!''

ثوبیہ نے کہا اور بھابیاں دونوں سوچ رہی تھیں کہ یہ بوڑھے ساس سسر ویسے تو دس کام لیں گے بہو سے، مگر نجانے کیوں ایک آدھ کام خود کر کے بہو کو شرمندہ کر کے خود مظلوم بن جائیں گے۔

''اونہہ......'' دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور موضوع بدل دیا۔

اب ابو کو بھی اتوار کا اور ثوبیہ کا انتظار رہنے لگا تھا۔ وہ ہر صبح دن گنتے اور اتوار کے دن تو صبح ہی سے ہشاش بشاش، ہنستے مسکراتے رہتے۔

ثوبیہ آتی تو پورے ہفتے کی روداد، اپنے دوستوں کے حال احوال اسے سناتے۔ اس سے بچوں کی ایک ایک بات پوچھتے۔

ثوبیہ کو لگتا کہ وہ بیس سالوں میں اپنے باپ سے اتنی قریب نہیں ہو سکی تھی، جتنی ان چند مہینوں میں ہو گئی تھی۔ برسوں کے فاصلے، جھجک اور نامعلوم سا خوف اب جا کے ختم ہوا تھا۔

اب اسے لگتا کہ اس کے ابو دنیا کے سب سے اچھے ابو ہیں۔

امی جی کے جانے سے ابو اپنی ذات میں تنہا ہو گئے تھے۔ بظاہر تو بھرے پُرے گھر میں، بچوں کے مجمع میں رہتے تھے لیکن کوئی بھی امی جی کی جگہ کو پُر نہیں کر سکا تھا۔ انھیں ان کی تنہائی اندر ہی اندر مارتی تھی۔ ہر گھڑی، ہر لمحہ، ہر وقت انھیں ثوبیہ کی ماں کی کمی محسوس ہوتی تھی۔

ثوبیہ جب بھی آتی، ہر طرح ان کی دلجوئی کرتی، خدمت کرتی۔ ثوبیہ کے وجود انداز، لب و لہجے میں اپنی ماں کی رمق تھی، اس کو دیکھ کر ہی وہ شاد ہو جاتے۔

کبھی کبھی خود پر بھی حیرت کرتے کہ کتنے سال وہ ثوبیہ کے وجود کی برکت سے ناآشنا رہے۔ بیٹی 'ایسی' ہوتی ہے، انھیں اب اندازہ ہوا تھا۔

''بیٹا! میں ہمیشہ ہی 'لڑکی' کے نام سے ڈرتا تھا۔ نجانے کیسا انجانا خوف تھا دل میں؟ جب بھی اولاد ہونے کی امید ہوتی تھی، میں ہر وقت اللہ سے بیٹا مانگتا تھا۔ پہلی بار اللہ

نے بیٹا دیا، دوسری بار بھی بیٹا دیا لیکن تیسری بار اللہ نے میری نہیں سنی اور مجھے بیٹی دے دی۔ میں بہت رویا، سجدوں میں گڑگڑایا، پھر ثوبیہ کی ماں نے مجھے تسلی دی، سمجھایا۔ میں ناسمجھ نہیں تھا لیکن خوفزدہ ضرور تھا۔ بیٹی بہت بڑی ذمے داری ہوتی ہے اور سب سے بڑی بات بیٹیوں کے دکھ نہیں دیکھے جاتے۔ بس پھر میں نے کبھی ثوبیہ سے ویسی محبت نہیں کی، جیسا کہ حق تھا، اسے خود سے زیادہ قریب نہیں کیا اور جب اسے بیاہ دیا تو سکون کا سانس لیا اور اللہ کا شکر ادا کیا، پھر دعا دی کہ اللہ میری بیٹی کو بیٹی مت دینا، اب احساس ہوتا ہے کہ میں نے ثوبیہ کو دعا نہیں بددعا دی تھی۔''

آج حاجی صاحب اپنے اکلوتے داماد کے ساتھ محوِ گفتگو تھے۔ ان کے داماد بہت ہی عمدہ اخلاق واطوار کے مالک، خوش گفتار اور ان کے بیٹی کے بہترین شوہر ثابت ہوئے تھے۔

''اب جب میں نے ثوبیہ کو قریب سے دیکھا تو مجھے احساس ہوا کہ بیٹی کتنی بڑی نعمت ہے اور جس مرد کو نہ ملے تو گویا وہ بہت بڑی نعمت سے محروم ہو گیا، اب میں ہر لمحہ ہر آن یہی دعا کرتا ہوں کہ اللہ میرے بچوں کو بیٹی ضرور دینا۔''

سسر صاحب کی بات پر ان کے داماد مسکرانے لگے۔

''میری الحمدللہ ثم الحمدللہ ہمیشہ ہر دعا پوری ہوتی آئی ہے لیکن اولاد کے معاملے میں چاروں مرتبہ میری دعا قبول نہیں ہوئی تو آج سمجھ آیا کہ کیوں نہیں ہوئی۔''

ثوبیہ کے شوہر نے مسکراتے ہوئے کہا: ''کیا مطلب؟''

''ابو مجھے شروع سے بیٹیاں بہت اچھی لگتی ہیں۔ میں ہر بار اللہ سے بیٹی رو رو کر مانگتا رہا لیکن چاروں بار بیٹا ہوا، کیوں کہ آپ ثوبیہ کو بیٹوں کی دعا دیتے رہے ہیں۔ میرا جب بھی بیٹا ہوا ہے، میں اللہ سے کثرت سے استغفار کرتا کہ یقینا میرا کوئی گناہ ہے جس کی وجہ سے اللہ نے مجھے بیٹی کی رحمت سے محروم رکھا ہوا ہے۔''

''بیٹیاں رحمت ہیں، بلاشبہ رحمت خاص جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دی گئیں، جن کی اچھی تربیت پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرب کی خوش خبری دی گئی، بڑے ہی نصیبوں والے ہوتے ہیں وہ جوڑے، جن کو بیٹیاں ملیں۔ اللہ پاک تمہیں بیٹی کی رحمت سے نوازے، اس کی اچھی تربیت کی توفیق دے آمین!

یقیناً بیٹیاں بری نہیں ہوتیں، والدین کی تربیت بری ہوتی ہے، بری تربیت بری بیٹی، اچھی تربیت اچھی بیٹی!''

ابو نے کہا تو ان کے داماد اثبات میں گردن ہلانے لگے۔

''اللہ پاک امت مسلمہ کی ہر ماں کو اپنی اولاد کی نیک تربیت کرنے کی توفیق دے، دین کے داعی بنائیں تو پھر کسی کو بھی بیٹیاں بری نہیں لگیں گی۔'' حاجی صاحب نے کہا۔

''جی ابو جی! بے شک بیٹیاں بوجھ نہیں ہوتیں۔ اللہ کرے ہر مسلمان کو یہ بات سمجھ میں آجائے۔'' ثوبیہ کے شوہر نے کہا۔

بیٹیاں سب کے مقدر میں کہاں ہوتی ہیں
گھر اللہ کو جو پسند آئے وہاں ہوتی ہیں!

☆☆☆

پہلا سبق

ایک بہن

"امی امی! پھوپو دادی جان سے کہہ رہی تھیں کہ آپ نے جان بوجھ کر کھانے میں مرچیں زیادہ ڈالی ہیں تا کہ میں کھاؤں اور مجھے زیادہ تکلیف ہو، وہ اور بھی بہت ساری باتیں آپ کے بارے میں کر رہی تھیں۔"

اس کی بات ختم ہونے سے پہلے ہی میں نے ایک زوردار تھپڑ اسے رسید کیا۔

وہ جو شاباشی کی امید میں فرفر بول رہی تھی، اس انتہائی غیر متوقع "عزت افزائی" پر چند لمحے تو گنگ رہ گئی۔ آنکھوں میں بے پناہ حیرت سمٹ آئی پھر جیسے کچھ نہ سمجھ آیا تو بے چارگی سے زور زور سے رونا شروع کر دیا۔

"تم وہاں کیا کر رہی تھی؟ خبردار آئندہ کسی کی بھی باتیں کان لگا کر سنیں اور آ کر مجھے بتائیں تو، ایسی باتوں ہی سے تو فساد پھیلتا ہے۔"

اس کا رونا بند ہی نہیں ہو رہا تھا اور میرا ذہن اپنے بچپن کی طرف چلا گیا۔

میں چھوٹی بچی تھی۔ گھر میں ہم کافی افراد مل کر رہتے تھے، جن میں میری والدہ دو چچا، ان کے بچے اور دادی شامل تھے۔ میری امی اور چچی وغیرہ کی اکثر لڑائی ہی رہتی تھی۔ اکٹھے رہنے میں کافی باتوں کو برداشت کرنا پڑتا ہے، لیکن ہمارے گھر میں تو جیسے ہر وقت جنگ کا ہی منظر رہتا تھا اور آج مجھے پتا ہے کہ اس جنگ کی آگ بھڑکانے میں ہم بچے پیش پیش ہوتے تھے۔ بلکہ شاید ہم بچے وہ حرکت نہ کرتے تو کبھی فساد پیدا ہی نہیں ہوتا۔

چچی یا امی دونوں میں سے کوئی نہ کوئی ہمیں کسی بہانے سے کن سوئیاں لینے کے لیے ایک دوسرے کی طرف بھجوا دیتیں یا اس طرف جدھر دادی وغیرہ بیٹھی ہوتیں۔ ہم بظاہر کھیل میں لگے ہوتے اور کسی کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہ ہوتی ہمیں کس مقصد کے لیے بھجوایا گیا ہے۔

ادھر باتوں کے دوران دادی یا چچی امی کے بارے میں کوئی بات کرتیں، ادھر میں فوراً جا کر ماں کو کہہ دیتی یا اگر چچی کے بارے میں کوئی بات ہوتی تو ان کے ننھے جاسوس انھیں جا بتا آتے۔ بس جی اس کے بعد دونوں آپے سے باہر ہو جاتیں۔

اس طرح دوسرے بچوں کا تو نہیں پتا لیکن میری یہ عادت بنتی چلی گئی۔ گھر میں بے دینی کا ماحول تھا۔ کوئی نصیحت یا اچھی بات بتانے کی بجائے مجھے اس مقصد کے لیے استعمال کیا جاتا بلکہ امی اور چچی وغیرہ ہم بچوں کو انعام کا لالچ بھی دیتیں کہ جاؤ سن کر آؤ کہ دادی پھپھو کو کیا کہہ رہی ہیں؟ بڑی مزیدار چیز کھلاؤں گی۔

ہم خوشی خوشی دادو کے کمرے میں پہنچ جاتے اور کھیلنے کے دوران ساری باتیں سن کر چچی یا امی تک پہنچا دیتے۔

"دادو پھپو سے کہہ رہی تھیں کہ اس کو تو چائے بھی نہیں بنانی آتی۔ مہمانوں کو کھانا دینے کا بھی سلیقہ نہیں مجھ سے آج تک اس نے نہیں پوچھا۔"

اس طرح کی باتیں سن کر امی یا چچی کا تو خون ہی کھولنے لگ جاتا اور تھوڑی ہی دیر بعد کسی چھوٹی سی بات کو بہانہ بنا کر دنگا فساد شروع ہو جاتا۔ بلکہ میں تو خاص طور پر دو چار اور بھی اپنی طرف سے لگا دیتی کیونکہ مجھے بھی اس کام میں مزا آنے لگا تھا۔

جب امی پوچھتیں: "اچھا اور کیا کہہ رہی تھیں میرے بارے میں؟"

تو مجھے اپنی اہمیت کا احساس ہوتا، سو میں اپنی طرف سے بھی دو چار ملا دیتی۔

وہ کہتیں: "اتنی جلدی کس لیے آ گئی ہو؟ جاؤ! ابھی ادھر جاؤ، میں تمھیں آئس کریم دوں گی۔"

محلے میں بھی میرا آنا جانا تھا وہاں بھی میں ایک گھر کی بات دوسرے کے اور اس کی بات کسی اور گھر میں کرتی تھی۔ اسی طرح وقت گزرتا گیا کہ ہمارے پڑوس میں ایک نیا گھر آباد ہوا۔ میں نے ان کے ہاں بھی جانا شروع کر دیا اور حسب عادت میں نے نئی پڑوسن خالہ کو بھی دوسرے گھروں کی باتیں سنانا شروع کیں تو انھوں نے فوراً ٹوک دیا: "نہیں ایسا نہیں کہتے۔"

پھر مجھے سمجھانے لگیں کہ ایک کی بات دوسرے سے نہیں کرتے۔ اس طرح گھروں میں فساد پھیلتے ہیں۔"

میں حیران پریشان رہ گئی کہ بجائے شاباش دینے کے وہ مجھے ایسا کہہ رہی ہیں۔ ایسا تو مجھے کبھی کسی نے بھی نہیں کہا بلکہ میں جس سے بات کرتی آگے سے یہی سنتی اچھا اور کیا کہہ رہی تھی میرے بارے میں؟ یہ خالہ بھی عجیب ہیں، میں ان کو بتا رہی ہوں ساتھ والی پڑوسن خالہ آپ کے بارے میں یہ کہہ رہی تھیں لیکن اس کے برعکس وہ کہہ رہی ہیں کہ چغل خور جنت میں نہیں جائے گا۔ وہ مجھے دیر تک سمجھاتی رہیں کہ وعدہ کرو آئندہ ایسی بات کسی کے ساتھ بھی نہیں کرو گی، میں تمھیں شاباشی دوں گی اور انعام بھی!

نئی خالہ کے گھر میرا جانا رحمت بن گیا۔ میری یہ بری عادت ختم ہوگئی اور ہمارے گھر میں ہونے والی لڑائیاں بھی آہستہ آہستہ ختم ہو گئیں۔

اور آج جب میری بیٹی بھی وہ کام کرنے لگی تو میں نے اس کو پہلے دن ہی سبق سکھا دیا۔

وہ روتے روتے سو گئی۔ آنسو اس کے چہرے پر جمے ہوئے تھے اور ساتھ میں میری انگلیوں کے نشان بھی لیکن خیر ہے؛ کوئی بات نہیں اس ایک تھپڑ نے گھر میں اٹھنے والے نجانے کتنے ہی فساد ہونے سے پہلے روک دیے ہوں گے اور خود اس کی زندگی بھی جہنم بننے سے بچ جائے گی۔

☆☆☆

شرم

مرسلہ: فریال طارق

۱۹۲۲ء میں اقبال لاہور میں ایک کرائے کے مکان میں رہتے تھے۔ مکان بدنما اور خستہ حالت میں تھا۔ کرایہ بھی پونے دو سو روپے، جو اس زمانے میں بہت زیادہ تھا۔ دوستوں میں سے کسی نے کہا: "حضرت یہ مکان کسی بھی وقت گر سکتا ہے۔"

اقبال نے جواب دیا: "ہاں! یہ میری دعاؤں ہی سے قائم ہے۔"

کہا گیا: "آپ اتنا کرایہ بھی دیتے ہیں۔ اس کرائے میں اس سے کہیں بہتر مکان مل سکتا ہے۔"

اقبال نے جواب دیا: "آپ ٹھیک کہتے ہیں لیکن آپ کو یہ معلوم نہیں کہ یہ مکان ایک ہندو بیوہ کا ہے جس کے بچوں کی گزر اوقات اسی مکان کے کرائے پر ہے۔ مجھے یہ کوٹھی خالی کرنے یا کرایہ کم کروانے میں شرم آتی ہے۔"

گھر کا انتظام

جویریہ ساجد

کچھ خواتین بہنوں نے گھرداری اور خصوصاً گھر کے بجٹ کے حوالے سے چند سوالات پوچھے، انھیں جو جوابات دیے تو مناسب لگا کہ استفادے کے لیے اس کی عام اشاعت بھی کی جائے۔

س ۱: ماہانہ آمدنی اور اخراجات کو کیسے مینج کرتی ہیں؟

ج ۱: سب سے پہلے ادائیگیاں جو جو کرنی ہوں وہ پیسے الگ کرتے ہیں۔ یوٹیلٹی بلز، ملازمین کی تنخواہیں، دودھ والے اور اخبار والے کے بلز۔ کیونکہ ہماری آمدنی متعین نہیں ہے اس لیے میں جب تک ادائیگیاں نہ ہو جائیں کوئی خرچہ نہیں کرتی، اس کے بعد گروسری کرتی ہوں۔ موٹی موٹی چیزیں سال کی اکٹھی لیتے ہیں جیسے گندم، چاول، چینی اور دالیں وغیرہ۔

س ۲: اگر آمدنی کم ہو اور اخراجات زیادہ ہوں تو کیسے مینج کیا جائے؟

ج ۲: آمدنی بڑھانے کے اقدامات کریں تب تک اپنے اخراجات کو قابو کریں۔ ایسی اسکلز سیکھیں کہ گھر بیٹھے کمایا جا سکے۔ یہ بچوں کو سکھائیں خود بھی سیکھیں۔

س ۳: بچوں کی تفریحات کے حوالے سے آپ کی ترجیحات کیا ہیں؟ مثلاً اچھا کھلانا، اچھا پہنانا، گھمانا پھرانا؟

ج ۳: کھانے کی بات ہو تو سب سے پہلے صحت بخش غذا اور گھر کا کھانا۔ ہوٹلنگ دو تین ماہ یا شاید اس سے بھی زیادہ عرصے بعد کبھی ہو جاتی ہے۔ باہر کے پیزے، برگر، شوارمے بھی بہت کم۔ وہ میں انھیں خود بنا دیتی ہوں۔

پہننے کے لیے عیدین پہ دو تین اچھے والے سوٹ بنا دیتی ہوں اور پھر انھیں احتیاط سے آنے جانے میں استعمال کرتی ہوں۔ گھر واپس آتے ہی کپڑے تبدیل کرواتی ہوں۔ گھر کے پہننے کے کپڑے دن کے الگ اور رات کے الگ، کیونکہ کپڑے جلدی خراب تب ہوتے ہیں جب ہم راتوں کو پہن کے سو جاتے ہیں اس لیے ایک کھلا ڈھلا سادہ سا نائٹ سوٹ بچوں کا اپنا ضرور بنانا چاہیے۔

گھمانے پھرانے کے لیے ضروری نہیں کہ لمبے ٹوور کیے جائیں۔ گھر سے چائے بنائیں، بچوں کے اسنیکس بنائیں اور باہر کسی پر فضا مقام پر جا کے والدین کچھ دیر انجوائے کر لیں۔ انجوائے منٹ کو زیادہ پیسے کے ساتھ نہ جوڑنا چاہیے۔

س ۴: بچوں خصوصاً بڑھتی عمر کے بچوں کی خوراک میں ایسی کون سے اجزا شامل کیے جائیں تاکہ نشوونما بھرپور ہو، قد اور وزن بڑھے۔

ج ۴: متوازن غذا جس میں گوشت ہو صرف مرغی نہیں بیف یا مٹن اور مچھلی بھی۔ ان سب کا تناسب برابر رکھیں۔ مرغی پر زور نہ لگائیں، جیسا کہ آج کل رواج سا ہو گیا ہے۔ بیف کا قیمہ یا کباب یا کوفتے مہینے میں ایک بار بنا لیں جب تک چلیں ان کو چلائیں۔ بچوں کو انڈے بھی کھلائیں دودھ بھی، خشک میوہ جات بھی کھلائیں۔ ضروری نہیں کہ روز، ایک بار گروسری میں لے آئیں اور ہفتے بھر میں تقسیم کر دیں۔ ایک بار پھر عرض ہے کہ ہمارے یہاں باہر کے کھانے بے حد کم ہیں۔

س ۵: بچوں کے یا اپنے کپڑے سیزن کے سیزن خریدتی ہیں یا ہر مہینے ایک دو جوڑے لے لیے؟

ج ۵: میں زیادہ تر سیزن کے کپڑے اکٹھے لیتی ہوں۔ گرمیوں کے دو حصوں میں لے لیے۔ مجھ سے بازار کے چکر نہیں لگتے لیکن یہ آمدنی پر منحصر ہے۔ آمدنی کم ہے تب بھی ہر ماہ پیسے الگ رکھ دیں جب سیل لگے تب اکٹھے خرید لیں۔

س ۶: بستر کی چادریں، پردے، سجاوٹی اشیا کی خریداری کے لیے بجٹ کیسے مینج کیا جائے؟

ج ۶: پردے تو سالہا سال چلتے ہیں۔ شہر میں ہول سیل کی دکانیں ڈھونڈیں اور وہاں سے خریدیں۔ سجاوٹی اشیا ابھی بچے چھوٹے ہیں تو زیادہ نہیں خریدتی۔ بیڈ شیٹس البتہ برینڈڈ لیتی ہوں لیکن سیل سے اور وہ بھی اکٹھی خریدتی ہوں۔ نئی بیڈ شیٹس کسی کے آنے جانے پر اور پرانی گھر میں عام استعمال کے لیے۔ کچھ بیڈ کور بھی ہیں جو کسی کے آنے پر بیڈ پہ ڈال دیے، بعد میں اتار دیے۔

میرے پاس کچھ اچھی بیڈ شیٹس تو چھ سات سال پرانی بھی موجود ہیں جو کم استعمال ہوتی ہیں اور ابھی جہیز کی اچھی والی بھی موجود ہیں۔

مہمان نوازی

بنت شبیر احمد قریشی

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اچانک مہمانوں کی آمد پر خواتین بوکھلا جاتی ہیں کہ کیا بنائیں؟ ٹھنڈا یا گرم، کیا پیش کریں؟

سردیوں میں مہمانوں کی آمد پر گرما گرم چائے بنائیں۔ ساتھ ہی چولہے پر تیل چڑھا کر اس دوران آلو چھیل کر سادہ چپس یا بیسن میں بھگو کر چپس تل لیں۔ آپ پکوڑے بھی بنا سکتی ہیں۔ ان چیزوں کو آپ دہی پودینے کی چٹنی یا کیچپ کے ہمراہ ٹرے میں سجا کر پیش کریں۔ گرمیوں میں شربت تیار کر کے برف کے ٹکڑے ڈال کر پیش کریں۔ ساتھ فروٹ اور چپس وغیرہ رکھ سکتی ہیں۔

مہمان اگر کھانے پر رکیں اور انہیں جانے کی جلدی بھی ہو تو ایسی صورتحال میں وہ ڈشز بنائیں جو جلدی تیار ہو جائیں جیسے گرائنڈ چاولوں کی کھیر میں چند گاجریں کدوکش کر کے شامل کر کے بنا لیں، یا شیر خورما وغیرہ بنا لیں، سالن میں مرغی یا انڈے ٹماٹر کا سالن بنا لیں۔ دسترخوان پر سلاد اور پھلوں کی ٹوکری میں پھل اور پلیٹ میں چھری ساتھ رکھ دیں۔ عید کے دن خاص طور پر کوئی سوئیٹ ڈش یا بریانی بنا کر رکھیں، چپس باریک کاٹ کر انہیں کڑک سا تل کر مصالحہ ڈال کر رکھیں، چاٹ یا فروٹ چاٹ بھی بنا لیں تاکہ اچانک مہمانوں کی آمد پر آپ کو پریشانی نہ ہو۔

اگر آپ مہمانوں کی آمد پر موسم کی مناسبت سے اہتمام کریں گی تو یقیناً مہمان آپ کے ذوق کو پسند کریں گے۔

☆☆☆

اصل بات چیزوں پر چیزیں خریدنا نہیں انھیں احتیاط سے استعمال کرنا اور سنبھالنا ہے۔

س ۷: خاندان کے ساتھ میل جول، شادی بیاہ پر دینا دلانا، یا دعوت وغیرہ کے لیے کتنا بجٹ رکھتی ہیں؟

ج ۷: جتنی گنجائش ہو اتنا۔ کسی کو خوش کرنے کے لیے اپنی جان کو مصیبت میں نہ ڈالیں۔ خوش کسی نے نہیں ہونا، سود کھاوا بالکل نہ کریں۔ جھوٹی شان بنانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ ہمیشہ اپنی گنجائش کے مطابق چلیں۔ نہ کنجوسی ہو نہ فضول خرچی اور دکھاوا۔ بس اتنا جس سے آپ کی ذمے داری پوری ہو جائے۔ دعوتوں پر بھی اوور نا ہوں۔ مناسب چیزیں بنائیں جو کھائی جائیں۔

س ۸: اسکول جانے والے بچوں کے لیے گھر کے بنے کھانے میں کیا بنایا جائے؟

ج ۸: سب سے پہلے تو انھیں اچھے ناشتے کی عادت ڈالیں۔ پراٹھا، انڈا، دودھ۔ اس کے لیے پین کیک کی ترکیب لکھی تھی جس میں یہ تینوں اجزا استعمال ہوتے ہیں۔ لنچ باکس میں سینڈوچ، فرائز، رول، سموسے، کیک، نگٹس، برگر، پراٹھا رول، بہت کچھ بنایا جا سکتا ہے۔ سب کے ساتھ بیٹھ کے تین وقت کا کھانا کھانے کی عادت ڈالیں۔

آخری لیکن سب سے ضروری بات تنخواہ کو مہینے کے آخر تک کیسے چلایا جائے؟

اس کے لیے ایک آزمودہ ترکیب ہے کہ ایک مہینہ کسی بھی طرح صرف یہ کریں کہ ضروری ادائیگیاں کریں اور انتہائی ضروری خریداری، باقی سب پیسے محفوظ کر لیں۔

اب جیسے عید گزری ہے تو عیدی کے پیسوں سے گزارا چلایا جا سکتا ہے

یہ مہینہ اوکھا سوکھا گزار لیں، اگلے مہینے پچھلے مہینے کی بچت خرچ کریں۔ اگلے مہینے کے پیسے سنبھال کے رکھ دیں۔ اس طرح ایک تو پیسے کبھی ختم نہیں ہوتے نہ خرچ کرتے ہوئے دل گھبراتا ہے کہ ختم ہو جائیں گے کیوں کہ پتا ہوتا ہے کتنی گنجائش ہے دوسرا کوئی اچانک خرچہ آ جائے تو بیک اپ موجود ہوتا ہے۔

☆☆☆

تلخ حقیقت

ایک لڑکی کہنے لگی میں نے اپنی منگنی اس لیے توڑی کہ میرا منگیتر مجھ پر پابندیاں لگاتا تھا۔ فیس بک، انسٹاگرام پر لوگوں کو ایڈ کرنے سے روکتا ہے اور غیر لوگوں سے دوستیاں کرنے سے بھی روکتا تھا اصل میں اسے مجھ پر یقین نہیں تھا تو مجھے ہنسی آئی ایک رشتے کی سچائی اگر آپ جاننا چاہتے ہیں تو یہ دیکھیں وہ آپکے لیے کتنا حساس ہے اگر آپ کسی سے کسی تعلق میں ہیں اور اسے فرق ہی نہیں پڑتا کہ آپ کی فرینڈ لسٹ میں کون لوگ ہیں آپ کس قسم کی تصاویر اپ لوڈ کرتی ہیں لوگوں سے کمنٹ میں کس طریقے میں بات کرتی ہیں تو یقیناً آپ کو محض ٹائم پاس کے لیے رکھا گیا ہے۔ رشتے کی بنیاد ہی اپنی مہار دوسرے کے ہاتھ میں تھا دینے کا نام ہے جو آپ کے ساتھ مخلص ہوگا اسے آپ کے عمل کی کردار کی فکر ہوگی وہ کبھی نہیں چاہے گا کہ اس کی محبت اس کی منگیتر حد سے تجاوز کرے۔

ہمشیرا انس شبیر۔ کبیروالہ

اور یار یا دوست یہ کیا ہیں؟ جس چیز کی ہمارا مذہب ہمارا سماج ہماری تربیت ہمارے والدین اجازت نہیں دیتے ہیں اس چیز کے پیچھے اپنے سگے رشتوں کو چھوڑ دینا کہاں کی عقل مندی ہے۔ اکثر لڑکیوں کو یہ لگتا ہے وہ یہ کہتی ہیں کہ فلاں ہمارا دوست ہے بس دنیا کا کوئی مذہب اٹھا کر دیکھیں دنیا کی سب سے نفسیاتی کتب سب سماجی حدود سب اخلاقی اقدار جنس پر لکھی گئی کتابوں کو اٹھا کر دیکھیں یہی لکھا ہوگا کہ مرد اور عورت کبھی دوست نہیں ہوتے مجھے اس دن کسی نے بتایا کہ ان کی بھابی تین بچوں کو چھوڑ کر چلی گئیں کہ شوہر فیس بک استعمال نہیں کرنے دیتا یعنی ہم اس قدر حقیقت سے دور اور خوابوں کے دلدادہ ہو چکے ہیں کہ حقیقت ایک آنکھ نہیں بھاتی لڑکیاں سالار سکندر جہاں سکندر کی تلاش میں منگنیاں توڑ رہی ہیں ناولز کو تفریح طبع تک رکھو حقیقت اور چیز ہوتی ہے حقیقت میں کوئی پرفیکٹ نہیں ہوتا کوئی مردانہ وجاہت کا نمونہ نہیں ہوتا کوئی محبت کے لیے نہیں مرتا کوئی دنیا سے ایک لڑکی کے لیے نہیں ٹکراتا اپنے رشتوں کی پہچان کرو بھٹکے ہوئے لوگوں کو در در کی ٹھوکروں کے سوا کچھ نہیں ملتا بھٹکنا ہی ہے تو پھر کھل کر بھٹکو گناہ کرو تو اس پر کوئی منافقت بھری نیکی کا پردہ نہ ڈالو بانک ڈھل کہو میں برا ہوں نہیں تو خوابوں کے پیچھے اندھا دھند نہ بھاگو کہ جب گرو اور آنکھ کھلے تو تم تماشا بنے ہو۔ دہلیز آئی خوشیوں کو مت دھتکارو ورنہ زندگی تمہیں ایسا دھتکارے گی کہ کسی قابل نہیں رہو گی۔ زندگی میں رہنا سیکھو رشتوں کو ان کی کمیوں اور خامیوں سمیت قبول کرو یہ مناسب بات ہے اگر تم سمجھو تو......

☆☆☆

بنت نجم الدین۔ ڈیرہ اسماعیل خان

ہمارے برسنے کے بعد کا منظر

''ثمرہ باجی! گھر جاتے ہوئے مجھے بھی لیتی جانا۔''

نمرہ نے بڑی بہن کو میسج کیا۔

''ٹھیک ہے، میں تیاری کر رہی ہوں آدھے گھنٹے تک نکلتی ہوں۔''

''بس باجی میں تو تیار ہوں آپ بس مس کال دے دینا میں باہر آجاؤں گی۔''

صبح سے رو دھو کر وہ خود کو نارمل کر چکی تھی۔

آدھے گھنٹے بعد ثمرہ باجی نے اسے مس کال دی تو وہ باہر آگئی۔ لطیف بھائی گاڑی چلا رہے تھے۔ دونوں بچے اسے دیکھتے ہی خوش ہوگئے۔

''نمرہ! بلال بھائی نہیں آرہے؟'' اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

عید کے تیسرے روز امی کے گھر وہ پانچوں بہنیں دعوت میں جمع تھیں۔

''نمرہ! کیا بات ہے؟ تمھارا یہ گلاب سا چہرہ کیوں مرجھایا ہوا ہے؟'' وقاص نے کہا تو اس نے نظر اٹھا کر دیکھا۔

''ہاں کیا ہوا نمرہ! تمھاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟''

فروہ باجی نے بھی اسے صوفے سے ٹیک لگائے گم صم بیٹھے دیکھا تو پوچھا۔

''مت پوچھیے باجی! لگتا ہے بند ٹوٹ جائے گا۔''

وقار کے کہنے پر فروہ باجی نے چونک کر منزہ کو دیکھا اور دل میں بولیں: ''ضرور کچھ گڑبڑ ہے۔''

اور وہ اپنی کیفیت پر بمشکل قابو کیے تھی۔

''اِس سے پہلے کہ میں برستی بارش میں بھیگ نہ جاؤں راہ فرار اختیار کرتا ہوں۔''

وقار کہتا ہوا باہر نکل گیا۔ وہ گھر میں سب سے چھوٹی سب کی بہت ہی لاڈلی تھی۔ کھانے کے بعد سب یہی قیاس کرتے رہے کہ نمرہ چپ چپ سی کیوں ہے؟

''کیا ہوا کوئی سرا ہاتھ آیا؟''

وقاص نے فروہ باجی سے پوچھا۔

''نہیں۔'' انھوں نے سر ہلایا۔

''بلال بھائی کیوں نہیں آئے کھانے پر؟''

وقاص کا کہنا تھا اور آنکھوں نے برسنا تھا۔

''بس میں نے سرا پکڑا دیا، آگے کا کام تمھارے ہاتھ میں۔'' وقاص اسے روتا دیکھ کر تیزی سے کہتا اٹھ گیا۔

وہ اسے روتا نہیں دیکھ سکتا تھا۔

''کیا ہوا نمرہ! کیوں سب کو پریشان کر رہی ہو؟''

ثمرہ باجی بولیں۔

اسی وقت امی بھی آگئیں۔

''ہائے میری لاڈلی کیوں رو رہی ہے؟ کسی نے گھر میں کچھ کہا ہے۔ چچا چچی سے ناراضی ہے؟''

''نہیں۔''

''تو یہ بھابی سے لڑائی ہوئی ہے؟''

''نہیں۔''

''ہر بات پر نہیں تو پھر آخر وجہ کیا ہے؟''

چاروں بہنیں پریشانی سے پوچھ رہی تھیں۔

امی خاموشی سے دیکھ رہی تھیں۔

''بلال بھائی گھر پر ہیں؟'' منزہ نے پوچھا۔

''نہیں۔'' وہ بولی۔

''کہاں ہیں پھر؟''

''ٹور پر گئے ہیں۔'' جواب روتے ہوئے دیا۔

فروہ باجی نے بمشکل مسکراہٹ کو روکا۔

''کب گئے ہیں؟'' ثمرہ نے پوچھا۔

''آج۔'' مختصر جواب۔

''تمھیں نہیں لے گئے؟''

''نہیں دوستوں کے ساتھ گئے ہیں۔''

''اوہ اچھا تو یہ بات ہے۔'' منیبہ نے کہا۔ ''تم نے تو جان ہی نکال دی تھی۔ کیا تمھاری اجازت سے نہیں گئے؟''

ثمرہ کو بات کرنے میں مزا آنے لگا۔

''مجھ سے انھوں نے اجازت مانگی ہی نہیں۔''

''اچھا بنا اجازت لیے چلے گئے ہماری لاڈلی کو ناراض کر کے۔ آلینے دو ذرا، خبر لیں گے سب مل کر۔ تم اداس کیوں ہوتی ہو امی کے گھر رہ جانا۔'' ثمرہ نے کہا۔

''چچا چچی نے کہا ہے کہ ہمارا دل نہیں لگے گا شام کو آجانا۔''

''کیوں؟ فرزانہ بھابی کہاں ہیں؟''

منزہ نے اس کی جیٹھانی کا پوچھا۔

''وہ کل رات سے میکے گئی ہوئی ہیں بھائی کے ساتھ۔''

''پھر تو ٹھیک ہی کہہ رہے ہیں چچا چچی اور نمرہ تمھارے بھائی بھی کل جائیں گے دوستوں کے ساتھ، یہ تو کوئی اداس ہونے والی بات نہیں۔'' روہا باجی نے کہا۔

وہ سُوں سُوں کرتی آنکھیں صاف کر رہی تھی۔

اسی وقت وقاص بھائی پھر ٹپک پڑے۔

برسنے کے بعد کا منظر بڑا پرلطف تھا۔

''سناؤ کیسی رہی؟''

منزہ نے اسے آنکھیں دکھائیں، وقار بھائی بھی آگئے تھے۔

''چلو نمرہ۔''

''کہاں؟'' نمرہ کی بھیگی آنکھوں میں حیرت تھی۔

''بلال بھائی نے کہا ہے تم نے اپنی کسی سہیلی سے کہا تھا کہ میں کل آؤں گی ملنے، اس نے وعدہ لیا تھا، پھر بلال بھائی چلے گئے۔ شاید تم نے خوشی خوشی انھیں نہیں بھیجا تھا اس لیے اب انھوں نے وائس میسج کیے ہیں، لو سنو:

''السلام علیکم وقار! نمرہ کو ذرا رابعہ کے گھر تو چھوڑ آنا، شاید وہ تمھیں اپنی اداسی کی وجہ اپنی ضد کی وجہ سے نہ بتائے، میں کال کر رہا ہوں تو اٹھا نہیں رہی، تم لے جانا پلیز۔ میں نے ہفتہ تو اس سے ایسے ہی کہہ دیا تھا تنگ کرنے کے لیے، میں تین چار دن میں آجاؤں گا۔ ٹھیک ہے ناں پھر واپسی پر گھر چھوڑ دینا۔ بہت شکریہ، اور ہاں چاہو تو یہ میسج اسے سنا دینا۔'' آخر میں آواز شرارتی ہوگئی تھی۔

نمرہ کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا، اس نے جھینپی ہوئی نگاہوں سے سب کو دیکھا۔ سبھی مسکرا رہے تھے۔

''چلو اٹھ جاؤ اب۔'' وقاص بھائی نے کہا تو وہ اٹھ گئی۔

منہ دھو کر اس نے ہلکی پھلکی تیاری کی۔

''آہا برسنے کے بعد کیا ہی روپ آیا ہے۔''

ثمرہ نے کہا۔

''نظر لگانے کا ارادہ ہے کیا میری لاڈلی بہن کو؟''

وقار نے کہا۔

وہ انھیں ہنستا بولتا چھوڑ کر کسی بات کی پروا کیے بنا اپنی پیاری سہیلی سے کیا وعدہ پورا کرنے چل دی۔

☆☆☆

ناول یو کے ٹو پی کے: ایک تاثر!

ابوالحسن۔سینٹرل جیل، کراچی

UK ٹو PK جب قسط وار شائع ہوا، ہم نے انہی دنوں 'بچوں اور خواتین کا اسلام' پڑھنا شروع کیا تھا، تب جوزف پاکستان آچکا تھا۔ پورا ناول پڑھ کر اندازہ ہوا کہ مکمل ناول پڑھنا ضروری تھا۔ کتب خواں طبقے میں یہ تاثر عام نظر آیا کہ دینی طبقے کے لکھاریوں کی تحریریں ادبی معیار سے کمزور ہوتی ہیں اور اچھا ادب خصوصاً ناول، افسانے اور شاعری، فحاشی اور بے ہودگی کے مسالے کے بغیر اچھا نہیں لکھا جاسکتا۔ یہ ناول ان دونوں مفروضوں کی تردید کرتا ہے۔

ادبی دنیا میں بالعموم راسخ العقیدہ اور پابند شرع ادیبوں کو ان کا جائز مقام کم ہی دیا جاتا ہے یہ صورت حال ایک دن میں نہیں بنی۔ اس کی ایک وجہ تو اس ادبی مافیا کی زور آوری ہے کہ اسے سرکاری بلکہ عالمی تنظیموں (جو ادب کے نام پر اپنا مخصوص ایجنڈا پھیلاتی ہیں) کی سرپرستی حاصل ہے۔ دوسری وجہ فریقِ ثانی کی کمزوری بھی ہے۔ اس کا اصل حل تو یہی ہے کہ اس نظام کو بدلا جائے اور ایسا نظام قائم کیا جائے جو حق دار کو اس کا حق دلائے اور فی الوقت عارضی حل یہ ہے کہ دینی طبقے کے لکھاری اپنا ادبی معیار ایسا بنائیں کہ انھیں نظر انداز کرنا ممکن نہ ہو، سو یہ ناول اس لحاظ سے ایک بہت اچھی کاوش ہے۔ اب ہمارا ہدف 'یہ زندگی اک تشنگی' پڑھنا ہے۔

جوزف کے بچپن کا حصہ بالخصوص بہت دل گداز ہے۔ یہ حصہ ناول کی جان ہے اور بقیہ حصوں کے ساتھ پوری طرح مربوط ہے۔ کتاب کی ضخامت مناسب ہے۔ میں نے اسے چوبیس گھنٹوں ہی میں پڑھ ڈالا اور میرے بعد پڑھنے والے پہلے تین افراد نے بھی اسے ایک دن رات کے اندر مکمل کیا۔ بعد میں دورانیہ بڑھنے لگا جو ظاہر ہے پڑھنے والوں کی رفتار مطالعہ کی وجہ سے ہے۔ تاثرات بہر حال یہی تھے:

''زبردست! بہت مزا آیا ماشاءاللہ بہترین!'' وغیرہ۔

آخر میں تقابل ادیان کے حوالے سے بھی اچھا مواد ہے۔ الحاد کے رد میں شان دار دلائل دیے گئے۔

ناول میں انگریز معاشرے کے مثبت پہلو، احساس کم تری اور مرعوبیت کے بغیر بیان کیے گئے اور اسے تمام برائیوں کا مرکز نہیں بنایا گیا۔ ظاہر ہے اچھے برے لوگ ہر معاشرے میں موجود ہوتے ہیں اسی طرح پاکستانی معاشرے کو نہ تو مثالی معاشرہ بنا کر دکھانے کی کوشش کی گئی اور نہ ہی غیر ضروری طور پر اس کی خامیاں اور برائیاں بیان کی گئیں (جو آج کل گویا فیشن میں داخل ہے) بس صورت حال کی ضرورت کے مطابق بیان کیا گیا۔

نتیجے، معصوم (غیر حربی) لوگوں کے قتل عام کے خلاف بات بھی اصولاً بالکل درست ہے۔ جہاد دین اسلام کا اہم فریضہ اور عبادت ہے اور اسے قرآن وسنت کے احکام کے مطابق ادا کرنا ضروری ہے۔ یہ محض لڑنے بھڑنے کا نام نہیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ لندن اور دیگر یورپی شہروں میں عام لوگوں پر ہونے والے چاقو، تیزاب حملوں کے ۸۰ یا شاید ۹۰ فیصد واقعات سفید فام/نسل پرست عیسائیوں کی طرف سے کیے جاتے ہیں۔ حملہ آور اگر مسلمان ہو تو یہ واقعہ مسلم دہشت گردی اور اگر عیسائی ہو تو یہ دہشت گردی نہیں بلکہ نسل پرستی کا واقعہ کہلاتا ہے۔ ہماری رائے میں ناول اس ایک واقعے کے بغیر بھی مکمل اور شان دار تھا۔

مسلمان دنیا بھر میں جہاں بھی جہاد کر رہے ہیں وہ دفاعی نوعیت کا ہے۔ اقدام دنیا بھر میں کفار ہی کر رہے ہیں۔ مسلم مقبوضات (وہ علاقے جہاں مسلمانوں کی حکومت رہی اور اب کفار کا قبضہ ہے) کا رقبہ اب بھی موجودہ مسلم دنیا سے کم نہیں۔ میڈیا کے پراپیگنڈے کا کمال یہ ہے کہ مسلمان مظلوم ہونے کے باوجود ظالم اور جنونی ہیں اور کفار خونِ مسلم سے ہولی کھیلنے کے باوجود انصاف پسند اور صلح جو، یہ 'سخن گسترانہ' مقطع میں آپڑی کہ اس طرف کو بھی نظر لوٹ ہی جاتی ہے، کیا کیجیے۔ اچھا یوسف نے اسلام قبول کرنے کے بعد اپنی مہم کہاں تک پہنچائی؟ ہمیں تو میری اور قبول اسلام کے بعد شاید ماریہ کے قبول اسلام اور جوزف کے ساتھ شادی کی بھی امید تھی۔ بہر حال یہ کردار بھی اور مصنفہ بھی خوش رہیں، آباد رہیں۔ اللہ پاک مزید ترقیاں عطا فرمائیں، آمین!

ج: ماشاءاللہ حسب توقع بہت جامع تبصرہ رہا ناول پر۔ یہ ناول (03424198208) پر واٹس ایپ کر کے منگوایا جاسکتا ہے۔

☆☆☆

عربی زبان

شورش کاشمیری

عربی زبان اُن تکلفات سے پاک ہے جو ایرانی زبان کا حصہ ہیں اور جن سے اردوئے معلیٰ تیار ہوتی ہے۔ عرب ''آداب عرض کرتا ہوں، کورنش بجالاتا ہوں، تسلیمات عرض ہیں''، قسم کے الفاظ استعمال نہیں کرتے اور نہ ہی اپنے حکمرانوں کو ''جہاں پناہ، گیتی پناہ، خسرو دوراں'' کہنے کی انھیں عادت ہے۔ وہ ایک اور ایک دو کی طرح ہم کلام ہوتے ہیں۔ فارسی آنکھیں جھکا کر بات کرتی ہے، اردو کمر تک جھک کے اور عربی سرو قد ہو کر۔

☆☆☆

مسکراتی یادیں

سیما انجم فرید

زندگی رونے اور ہنسنے کا مجموعہ ہے۔ کوئی واقعہ برسوں بعد بھی ویسے ہی رلاتا ہے جیسا کہ پہلی بار روئے تھے اور کوئی واقعہ اب بھی ویسا ہی ہنساتا ہے جیسے ہم پہلے اس پر ہنسے تھے۔

میری خواہش ہے کہ میری تمام مسلمان بہنیں، بیٹیاں ہنستی مسکراتی رہیں تو آج میں وہ دلچسپ صورت حال قلم بند کر رہی ہوں جو آج بھی جب یاد آتی ہیں تو ہونٹوں کو خوب صورت مسکراہٹ دے جاتی ہیں۔

☆......☆

میری خالہ زاد نند کی شادی تھی۔ ہمیں ان کے گھر دو تین دن قیام کرنا تھا۔ کافی مہمان وہاں جمع ہونے تھے۔ سردیوں کے دن تھے تو سب کو کہا گیا تھا کہ اپنے بستر ساتھ لے کر آئیں، کیونکہ اتنے مہمانوں کا انتظام ممکن نہ تھا۔ خیر سب جانے کی تیاری میں خوب مصروف تھے۔ بستر وغیرہ بھی باندھ لیے گئے۔ ادھر ساس پر گھبراہٹ سوار ہوگئی کہ بس جلدی سے نقاب لگالو اور چلو جلدی نکلو، دیر ہو رہی ہے۔

اب میں ساس کی طرف متوجہ ہوئی کہ نقاب سے ان کے بال کیوں نظر آ رہے ہیں۔ غور کیا عبایا پر چادر تو اوڑھی نہیں بس نقاب لگالیا۔ گھبراہٹ میں چادر اوڑھنا بھول گئیں۔

☆

میری ایک بڑی بہن اسکول میں استانی تھیں۔ اسکول جاتے وقت ایک دن ان کے بیگ کا فیتہ ٹوٹ گیا۔ انھوں نے سوچا اسکول میں جا کر سی لوں گی۔ ماسی سے کہا بیگ میں سوا (موٹی سوئی) رکھ دو۔ اب اس نے رکھ دیا۔ اسکول جا کر جب بیگ کھولا تو ماسی نے سینے والے سوئے کی بجائے برف توڑنے والا سوا رکھ دیا تھا۔

☆

میری دیورانی کے جب جڑواں لڑکے ہوئے تو اس وقت بہت ہم شکل تھے۔ اب ماشاءاللہ سے انیس سال کے ہیں تو فرق نظر آتا ہے۔ خیر تو جب چھوٹے تھے تو خود بھی بھول جاتی تھیں کس کو کھلایا اور کس کو نہلایا۔ ایک دو بار تو ایک ہی بچے کو دو دفعہ نہلا کر لے آئیں پھر تنگ آ کر انھوں نے پہچان کے لیے ایک کے ہاتھ میں کالے دھاگے کی ڈوری بنا کر ڈال دی تاکہ پھر ایک ہی بچے کی مزید شامت نہ آئے۔

☆

بچپن ہی سے ہم میٹھے کی شوقین ہیں بلکہ اب بچپن میں بھی شوقین ہیں۔ ہماری خالہ انڈیا سے آئیں تو کراچی سے ہمارے ماموں نے خوب سوہن حلوے کے ڈبے انڈیا لے جانے کے لیے تحفے میں دیے۔ انڈیا واپس جاتے وقت وہ لاہور ہمارے ہاں رکیں تو کچھ ڈبے امی کو بھی تحفتاً دیے، ہمیں بھی کھانے کو ملا لیکن وہ تو اونٹنی کے منہ میں زیرہ کے برابر تھا، سو ہم نے چپکے سے موقع دیکھ کر خالہ کے صندوق سے ایک ڈبہ پار کیا اور اپنے پیٹ کا تندور ٹھنڈا کر لیا۔

اب یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ ڈبہ نکالا ہے تو وزن تھوڑا ابکس کا کم ہو گیا ہوگا سو اب کیا کریں؟ چھے سات سال کی عمر تھی سو دماغ میں آیا کہ سل کا بٹہ خالہ کے صندوق میں چھپا دیتی ہوں۔

اب جی خالہ کے جانے کے بعد امی بے چاری سل کا بٹا ڈھونڈتی رہیں، وہ کیسے ملتا، ادھر جب خالہ انڈیا چلی گئیں تو خالہ کا خط آیا:

''اے باجی! تم نے سل کا بٹا میرے صندوق میں کیوں رکھ دیا تھا؟''

امی ہماری ہکا بکا رہ گئیں۔ ادھر میرا ہنس ہنس کے برا حال۔ میری پیاری امی مرحومہ کو اللہ رب العزت کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے ان کو ساری زندگی بٹے کا راز پتا نہ چل پایا۔

☆

بچپن کا زمانہ گزرا تو گھر کے کاموں کا شوق سوار ہوا۔ ایک دن شیشے کا جگ خوب کھولتا ہوا پانی ڈال کر صاف کیا۔ ایسا صاف کہ جگ کا پیندا ہی نکل گیا۔ اب کارروائی خاموشی سے ہوتی تھی سو چپ کر کے جگ باورچی خانے کے تختے پر رکھ کر آ گئی۔ دودھ والے کی آواز آئی تو بھائی جان کو جلدی میں جگ نظر آیا۔ سیڑھیاں اتر کر نیچے بھاگے۔

اب وہی ہونا جو ہوا، یعنی بھائی نے جگ گوالے کے سامنے کیا، گوالے نے دودھ جگ میں ڈالنا شروع کیا دودھ جگ کی بجائے گلی کو سیراب کرنے لگا۔

بھائی جان اور گوالے کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

گوالا چلایا: ''بھائی! ٹوٹا پانڈا چک کہ لے آئے؟''

(بھائی ٹوٹا برتن لے آئے)۔

بھائی جان غصے میں پھنکتے اوپر آئے اور پھر دوسرا برتن لے کر گئے۔

ہمارے گھر میں امی نے ڈانٹ کا ماحول کبھی رکھا نہیں تھا۔ بہر حال ہمیں شرمندگی ہوئی لیکن جب بھی بھائی جان اور گوالے کی صورت حال یاد آتی ہے تو ہونٹوں پر ضرور چند کلیاں چٹک جاتی ہیں۔

☆

فرید کے لیے رمضان سے پہلے گاجر کا جوس نکال رہی تھی گاجر کو دبانے والا بٹن نظر نہیں آیا تو گاجر کو مشین میں ڈالتے وقت لکڑی کی ڈوئی سے دبانے لگی۔

خیر جوس نکال کر فرید، میں نے اور احمد نے پی لیا۔

اب جب کھانا بناتے وقت ڈوئی پتیلی میں چلائی تو دیکھا کہ ڈوئی کا تو خالی دستہ رہ گیا تھا! ہائیں یعنی ڈوئی کا منہ والا حصہ گاجر کے ساتھ ہی مشین میں کش ہو کر جوس میں شامل ہو گیا تھا اور ہم نے اپنے شوہر کو لکڑی کا جوس بھی بنا کر پلا دیا۔

دیکھا ہم کھانے کی دنیا میں کیا کیا کارنامے سرانجام دیتے ہیں؟

اگر تھوڑی سی مسکراہٹ بھی آئی ہو تو دعا میں یاد رکھیے گا۔

☆☆☆